قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دار العلوم وقف دیوبند

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF DEOBAND

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ

دفتر ماہنامہ

ندائے دار العلوم وقف دیوبند

ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۱۲ ربیع الثانی / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق نومبر، دسمبر ۲۰۲۰ء جنوری ۲۰۲۱ء شمارہ نمبر ۱۳۰، ۱۳۱

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر :

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

وڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر مسئول :

مولانا عبداللہ ابن القمر الحسینی

ناظم شعبۂ نشر واشاعت

دارالعلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

علاوہ ڈاک خرچ

فی شمارہ	۲۵/روپے
سالانہ	۲۵۰/روپے
سالانہ مع ڈاک خرچ	۳۲۵/روپے
تاعمر	۵۰۰۰/روپے

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

شائع کردہ :

شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

اس شمارے میں

ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ Website: www.dud.edu.in

نوٹ : خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸/تا ۲/ بجے ہی رابطہ کریں۔ 01336-222752

اداریہ

جائزے کے دورخ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ ❖

اس دنیا کی زندگی کے مختلف ادوار میں انسان کو ہزار ہا قسم کے غموں کا سامنا ہوتا ہے، مگر ان تمام غم و آلام کی ایک ہی بنیادی وجہ ہوتی ہے، وہ یہ کہ یہ سارے غم اس فانی دنیا کی عارضی آسائشوں سے محرومی یا محرومی کے اندیشوں سے پیدا ہوتے ہیں، ان تمام غموں کے پیش آنے پر انسانی ردعمل کو ہم دو بنیادی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ایک ردعمل وہ ہے جو صبر، حوصلے، برداشت، توکل، قناعت اور مادی و معاشرتی مصائب و آلام کے باوجود راہ حق پر قائم رہنے سے عبارت ہوتا ہے، یہ ردعمل رب تعالیٰ کی صحیح معرفت کے حصول کے لیے ایک ذریعہ اور وسیلہ کا کام سرانجام دیتا ہے، یہ مثبت و راست رویہ ہمیں اپنے خالق و مالک اور اپنے رب کریم سے ذہنی اور فکری طور پر قریب سے قریب تر کرتا چلا جاتا ہے، اس رویے کے ساتھ ہر نئی مشکل و محرومی ایک مومن اور ذات حق جل مجدہ کے تعلق میں تکوینی اعتبار سے بے مثال خوبصورتی اور پختگی کے احساس کو تازہ کرتی چلی جاتی ہے اور ہمارے باطن کی پاکیزگی کا موجب بن جاتی ہے۔

جبکہ اس کے برخلاف دوسرا ردعمل وہ ہے جو شکوہ و شکایت، ناشکری و ناامیدی بداخلاقی اور لاحاصل قسم کے مباحث میں وقت ضائع کرنے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مصائب و مسائل اس دنیا کی محرومی پر ہی منتج ہوتے ہیں بلکہ مایوسی و غفلت کے سوا ہمیں کچھ نہیں دے پاتے، اور دین و دنیا میں تو ان کی وجہ سے پے در پے نقصان اٹھانا ہی ہمارا مقدر بن جاتا ہے جس کے نقصان دہ اثرات فرد سے خاندان اور سماج و معاشرے کے بگاڑ کا سبب بن جاتے ہیں اور اس آخر الذکر ردعمل کے نتیجہ میں فرد کی دنیاوی زندگی پر جو تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ تو ہوتے ہی ہیں لیکن اس

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

کے علاوہ جن دائمی نقصان دہ نتائج کا سامنا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اخروی زندگی کے نتائج وثمرات ، اجر و ثواب سے محروم رہ جانے کے ساتھ رب کریم کی عطائے رحم وکرم سے بھی محروم رہ جاتا ہے، ان دونوں رد عمل کے تناظر میں ضروری ہے کہ نجی اور ذاتی احوال واعمال کے ہمہ جہت مواخذہ کے ساتھ عہد رواں کے پیش آمدہ مسائل اور اس کے نتیجہ میں مزاجی تغیرات کا سنجیدگی سے جائزہ لیکر اپنے رویے پر غور کیا جائے کہ ہماری طبیعت وشخصیت کا رجحان کیا ہے، دینی اور لادینی تصور حیات میں یہی بنیادی فرق ہے کہ دینی تصور مسبب الاسباب اور توکل ویقین کے تسلسل اور اس کے نتائج کے گرد گھومتا ہے جبکہ لادینی تصور ظاہری اسباب پر بھروسہ کے نتیجہ میں مایوسی وناامیدی پر منتج ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے عہد کے مسائل وآلام کا اپنے ردعمل کی روشنی میں ہمہ جہت جائزہ لیکر فیصلہ کریں اور اگر پہلے ایسا نہیں کیا تو اب یہ کوشش کرنی ہے کہ اب سے ان غموں میں پوشیدہ نعمت کے دائمی ثمرات کو پہچان سکیں اور انھیں رب کریم سے قربت کے حصول اور باطن کی پاکیزگی کے حصول کا ذریعہ بنائیں، ایسی پاکیزگی جو انشاء اللہ ہمیشہ کی زندگی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قربت کے قابل بنادے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بحث و تحقیق

قسط نمبر:۵۶

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ

کے علوم وافکار کی تشریح وترجمانی ’’تقریر دلپذیر‘‘ کی روشنی میں

مولانا غلام نبی قاسمیؒ ❖

اہل علم جانتے ہیں کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی دینی بصیرت اور فرق ضالہ باطلہ کی تردید میں مضبوط عقلی دلائل آپ کا ایک ایسا امتیاز ہے کہ جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور حجۃ اللہ فی الارض شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے حصہ میں آیا، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند نے بتوفیق ایزدی حضرت نانوتویؒ کی جملہ تصانیف کی تشریح وتسہیل کا عزم کیا ہے۔

افادۂ قارئین کے لیے آغاز حضرت قدس سرہٗ کی مشہور تصنیف ’’**تقریر دلپذیر**‘‘ سے کیا جارہا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ اہل علم کو پسند آئے گا۔

محمد شکیب قاسمی
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

یہی وجہ ہے کہ خدائی مخلوقات میں نہیں آسکتی اور امکان اور مخلوقیت، خدا میں نہیں جا سکتا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدائی موجودیتِ ذاتی کو کہتے ہیں اور امکان اور مخلوقیت، موجودیتِ عرضی کا نام ہے۔ سو خدائی میں ذاتی ہونا پہلے سے ملحوظ ہے۔ اور امکان اور مخلوقیت میں عرضی ہونا اول سے لحاظ ہے۔ اس لئے خدائی عرضی اور مستعار ہو، تو کیوں کر ہو؟ اور علی ہذا القیاس امکانِ مستعار اور عرضی کیوں کر ظہور میں آئے؟ ہاں فقط موجودیت اور وجود کو ان دونوں قیدوں سے علاحدہ کر کے دیکھیں، تو بے شک خدا اور مخلوقات دونوں میں مشترک ہوگا۔ چناں چہ ظاہر بھی ہے۔ اس صورت میں وہ اوصاف تو۔ جو ایک جانب سے دوسری طرف انتقال کرتے ہیں اور نیز وہ اوصاف جن میں ذاتی ہونے کا لحاظ ہے۔ خداوندِ عالم میں ضرور ہوں گے۔ پر وہ اوصاف۔ جن میں عرضی اور مستعار ہونے کا لحاظ ہے۔ خداوندِ عالم میں ضرور ہوں گے۔ پر وہ اوصاف۔ جن میں عرضی اور مستعار ہونے کا لحاظ ہے۔ خدا میں ہرگز نہیں ہو سکتے۔ علی ہذا القیاس، وہ اوصاف۔ جن میں کسی وصفِ وجودی بے قید، یا قید بہ قیدِ ذاتی کے عدم کا لحاظ ہے۔ خداوندِ عالم میں اس کا ہونا من جملہ ضروریات ہے۔(۱)

❖ سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) مضمون بالا سے ایک بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ وہ اوصاف جو ایک جانب نے دوسری جانب منتقل ہوتے ہیں ان میں فاعل اور قابل مشترک ہوتے ہیں، مگر جو اوصاف ایسے ہیں کہ وہ صرف فاعل کے ساتھ خاص ہیں وہ قابل میں منتقل نہیں ہو سکتے اور جو اوصاف صرف قابل کے ہیں وہ فاعل کی طرف منتقل نہیں ہو سکتے، جیسے خدائی، یہ خدا کا وصفِ ذاتی ہے، اور مخلوقیت اور امکان۔ یہ مخلوق کا وصفِ عرضی ہے اسی لئے خدائی مخلوقات میں نہیں آسکتی۔ اور امکان ومخلوقیت خدا میں نہیں جا سکتا۔

اس صورت میں موجودات کے اوصاف کی چھ قسمیں ہوں گی: تین وجودی، تین عدمی۔

وجودی تو وہی ہیں، جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ ایک اوصاف وجودی، جو بلا قید ہوں۔ دوسرے وہ اوصاف وجودی، جن میں ذاتی ہونے کا لحاظ ہے۔ تیسرے وہ اوصافِ وجودیہ، جن میں عرضی ہونا ملحوظ ہے۔

سو اول دو قسموں کا خدا میں ہونا ضروری ہے۔ اور قسم ثالث کا خداوندِ عالم میں ہونا محال۔

اور تین عدمی وہ ہیں، جو ان وجودی کے مقابل ہیں، یعنی ایک میں اوصافِ وجودی بے قید کا سلب ہے۔ دوسرے میں اوصافِ وجودی ذاتی کا سلب ہے۔ اور تیسرے میں اوصافِ وجودی مستعار کا سلب ہے۔ مگر ان دونوں قسموں میں بہ ظاہر اوصاف کا سلب ہوتا ہے، پر حقیقت میں ان قیدوں کا سلب اور عدم ہوتا ہے، جو ان میں ماخوذ اور ملحوظ ہیں۔ ورنہ قسم اول میں اور ان دونوں قسموں میں پھر کیا فرق باقی رہے گا؟ سو ان تینوں قسموں میں سے قسم ثالث کا خدا میں ہونا ضرور ہے اور دو قسم اول کا خداوندِ عالم میں ہونا محال مگر اسی طرح مخلوقات میں اقسامِ اوصافِ وجودی میں سے تو قسمِ اول اور قسمِ ثالث کا ہونا ضرور ہے اور قسمِ اوسط کا ہونا محال۔ اور اقسام اوصافِ عدمی میں سے اول اور آخر کا ہونا محال ہے اور قسمِ اوسط کا ہونا ضروری۔

ان سب اوصاف کے اقسام کے سوا ایک ساتویں قسم اور ہے، جس میں کسی عدم کا سلب ہو۔ سو اس قسم کا خدا میں ہونا ضرور ہے۔ مگر وہ عدم۔ کہ جو اس میں مسلوب ہوتا ہے۔ کبھی مطلق ہوتا ہے جیسے عدم مقابلِ وجودِ مطلق، کبھی مقید ہوتا ہے جیسے اندھا بہرا ہونا کہ اس میں ایک وجودِ خاص یعنی وصفِ بینائی اور شنوائی کا سلب ہے۔ اور اس وجہ سے بہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قسم بسا اوقات غیر خدا میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ بہت؛ بلکہ اکثر آدمی بینا نظر آتے ہیں۔ مگر اس عدم میں۔ جو اس میں مسلوب ہوتا ہے، اگر یہ قید بھی لگا دیں کہ وہ ذاتی ہو۔ تو پھر اس قسم کا غیر خداوندِ عالم میں ہونا محال ہو جائے۔(۱)

---

(۱) اوصافِ موجودات کی چھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے تین وجودی ہیں اور تین عرضی۔(۱) وجودی میں کچھ اوصاف وہ ہوتے ہیں جو بلا قید وجودی ہوں (یعنی ان میں نہ ذاتی ہونے کی قید ہوتی ہے نہ عرضی ہونے کی) یہ اوصاف موجودات اور خدا تعالیٰ میں مشترک ہوتے ہیں۔(۲) کچھ وہ جن میں ذاتی ہونا ملحوظ ہوتا ہے، جیسے خالقیت وغیرہ۔ یہ اوصاف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔(۳) وہ اوصاف جن میں عرضی ہونا ملحوظ ہوتا ہے۔ یہ مخلوقات کے ساتھ خاص ہیں۔ حجۃ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ''ان میں اول دو (وجودی بلا قید اور ذاتی) خدا تعالیٰ میں ہونا ضروری ہے اور تیسرے (اوصاف عرضی) کا خدا تعالیٰ میں ہونا محال ہے۔ اوصافِ عدمی، جو ان تین اوصافِ وجودی کے مقابل میں آتے ہیں۔ اول میں اوصافِ وجودی بے قید کا سلب۔ دوسرے میں اوصافِ وجودی ذاتی کا سلب، تیسرے میں اوصافِ وجودی مستعار (عرضی) کا سلب۔ ان اقسام میں جہاں اوصاف عرضی اور مستعار ہونے کا لحاظ کیا جاتا ہے وہ اقسام خدا تعالیٰ میں ہرگز نہیں ہوسکتیں اور اوصاف عدمی میں اوّل دو (۱۔ وصف وجودی بے قید کا سلب، ۲۔ وصف وجود ذاتی کا سلب) کا خدا کی ذات میں ہونا محال ہے کیونکہ اول میں ''وصف وجود بے قید'' کے سلب سے۔ حق تعالیٰ شانہ سے وصف وجود۔ جو بغیر کسی قید اور شرط کے اس کے لئے ثابت ہے، اس کی نفی ہوتی ہے اور دوم میں حق تعالیٰ شانہ کے وجود ذاتی کے وصف کا سلب ہوتا ہے۔ البتہ، تیسری قسم جس میں حق تعالیٰ کی ذات سے اوصاف وجودی مستعار کا سلب ہوتا ہے (کیونکہ اس کے ذات برحق کے لئے اوصاف وجودی...... بقیہ حاشیہ اگلے ص: پر

سوہم اپنی اصطلاح پر اس کا نام ''سبوحیت'' اور ''قدوسیت'' اور ''تسبیح'' اور ''تقدیس'' رکھ کر یہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ اقسام۔ جن کا ہونا خدا میں محال ہے۔ فقط اسی وجہ سے خدا میں محال ہیں کہ ان کا ہونا کسی نہ کسی عدمِ ذاتی کے اعتبار پر موقوف ہے۔ سو سلبیات کی اول دو قسموں کا حال تو ظاہر ہے کہ ان میں عدمِ ذاتی ملحوظ ہے۔ پر وجودیات کی قسم ثالث میں، چوں کہ بہ ظاہر معاملہ بالعکس ہے، اس لئے یہ گذارش ہے کہ کسی چیز کے عرضی اور مستعار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ موصوف کی ذات میں نہ ہو، کسی اور کے فیض سے آ گئی ہو۔ سو تم ہی کہو کہ یہ عدمِ ذاتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس صورت میں قسمِ ہفتم کا ماحصل فقط یہ ہوگا کہ وجودیات میں سے قسمِ ثالث اور سلبیات میں سے اول اور اوسط نہیں۔ کیوں کہ عدم کے لئے یہی تین احتمال ہیں، یہ نہیں کہ قسمِ ہفتم فی الواقع قسمِ ہفتم ہے مگر اسی قیاس پر اوصافِ ضروری کے ضرور ہونے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ کسی وصفِ وجودی ذاتی کے ہونے کی خبر دیتے ہیں، جن میں دو قسم: اول اور اوسط، وجودیات کا حال تو خود ہی ظاہر ہے، پر قسمِ ثالث سلبیات میں اشتباہ ہو، تو ہو۔ سو اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے یہ گذارش ہے کہ موافق تحریرِ بالا اس قسم میں قیدِ استعارہ کا سلب ہوتا ہے، جس کا عدمِ ذاتی پر دلالت کرنا ابھی عرض کر کے آتا ہوں۔ اس صورت میں سلبِ استعارہ کو وجودِ ذاتی لازم ہوگا۔ کیوں کہ سوائے عدم پھر وجود ہی ہوگا اور کوئی احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے بہ مقابلہ صفتِ قدوسیت ایسی صفتِ جامع ہونی چاہیے، جو اقسامِ ضرور یہ ثلاثہ کو شامل ہوں۔ سو ہم اس صفت کے لئے لفظ ''محمودیت'' اور ''حمد'' تجویز کر کے یہ گذارش کرتے ہیں کہ اگر چہ بہ ظاہر اوصافِ خداوندی کی آٹھ قسمیں معلوم ہوں، پر اس تقریر کے موافق کل دو قسمیں ہو جائیں گی: ایک اوصافِ تسبیحی۔ جن کو اوصافِ تنزیہی اور جلالی بھی کہیے۔ تو بجا ہے۔ دوسرے اوصافِ تحمیدی۔ جن کو اوصافِ جمالی بھی کہیے۔ تو زیبا ہے۔

۞ ...... ۞ ...... ۞

بقیہ پچھلے ص: ...... مستعار کا اثبات ممتنع ہے، اور سلب واجب ہے) کی ذات میں پایا جانا واجب ہے۔ ان چھ اقسام کے علاوہ ایک قسم اور بھی ہے اور وہ ہے ''سلب عدم'' یعنی یہ کہ خدا تعالیٰ کے معدوم ہونے کی نفی (کیونکہ وہ موجود ازلی ہے) کیونکہ اس کے وجود کی صفت ''ھو الاول والآخر'' ہے کہ سب سے پہلے بھی اسی کا وجود تھا اور سب کے بعد بھی اس کا وجود ہوگا۔ عدم وجود کا کہیں شائبہ بھی نہیں۔ اس لئے اس کے وجود سے ''عدم'' کا سلب یہ واجب ہے۔ جو اس کی ذات میں ملحوظ ہوگا۔ جن اوصاف کا اللہ کی ذات سے سلب لازم ہے ان اوصاف کو ''تنزیہی'' کہہ سکتے ہیں، جس کے لئے تسبیح و تقدیس کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ان اوصاف میں خدا تعالیٰ سے ایسے تمام عیوب و نقائص اور کمزوریوں کی نفی کر کے ان کے اضداد کا اثبات ملحوظ ہوتا ہے۔ جیسے اس کی ذات سے جہل، عجز، موت وغیرہ صفات سلبی کی تقدس (نفی) کر کے علم، قدرت، حیات وغیرہ کا اثبات کرنا یہ تسبیح، تقدیس اور تنزیہہ کہلاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جن اوصاف کا خدا تعالیٰ میں ہونا محال ہے اور اس لئے محال ہے کہ ان کا ہونا یا کسی نہ کسی عدمِ ذاتی کے ماننے پر موقوف ہے جیسے بشری نقائص اور عیوب بشر کے عدم ذاتی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ سابق میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بشر میں جو چیزیں عیوب و نقائص، معصیات اور افعال بد کے قبیل سے ہیں وہ اس کے عدم ذاتی ہونے کا اثر ہیں اور جو چیز کمالات اور محاسن کے قبیل سے ہیں وہ اس کے وجود عارضی یا وجود مستعار کا اثر ہیں۔ جو اصل میں اللہ تعالیٰ کی صفت وجودیت سے مستعار ہیں یا صفت وجودیت کا پرتو ہیں۔ جس طرح صفات سلبیہ کے لئے تقدیس، تسبیح اور تنزیہہ کی اصطلاحیں ہیں اسی طرح صفات وجودیہ ذاتیہ کے لئے ''تحمید'' کی اصطلاح ہے، جس کو صفت ''محمودیت'' اور ''حمد'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

مقالات و مضامین

قسط (۹)

دارالعلوم دیوبند اور خانوادۂ قاسمی

مولانا محمد اسلام قاسمی ❖

حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمہ اللہ

دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت اور عالم اسلام میں اس کی تعلیمی و دینی خدمات کا اعتراف ایک ایسا عنوان ہے جس کیلئے بیسویں صدی کے اسلامیانِ ہند کی تاریخ شاہد ہے، برصغیر ہند میں اس اسلامی مرکز کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب متحدہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا اور اسلامی تعلیم وتہذیب اور مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ علماء وصلحاء وقائدین ملت کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تھا، مسلمانوں کی دینی رہنمائی اور ملّی قیادت کیلئے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں آباد رہنمایانِ قوم نے جدوجہد کی اور دور بینی و مخلصانہ بصیرت کے ذریعہ اس مسئلے کے تدارک اور ذہنی جمود کو زائل کرنے کیلئے تعلیم گاہیں قائم کرنے کی تحریک شروع کی، اس کی ابتدا دیوبند کے مقام سے ''عربی مدرسہ'' کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس دینی وتعلیمی تحریک کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دیگر فیض یافتہ علمائے ربانی کی مخلصانہ جدوجہد سے اس عربی و دینی مدرسے نے اپنے بانی کے اصولِ ہشتگانہ اور ادارے کے اغراض و مقاصد کی روشنی میں دینی وتعلیمی خدمات کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کی مقبولیت اور شہرت برصغیر ہند کے علاوہ پوری دنیا تک پہنچی اور اسی طرز پر مزید دینی مدارس قائم ہونے لگے۔ اور جب اس ادارے کے سو سال پورے ہوئے تو اس کی خدمات کے تعارف اور توسیع کے پیش نظر ایک عظیم الشان عالمی اجتماع منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے نظم ونسق کی ذمہ داری صاحبزادۂ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی کے سپرد ہوئی، اجلاس کے کامیاب انعقاد کے بعد ہی ناظم اعلیٰ کی صلاحیتوں اور خوبیوں سے دنیا روشناس ہوئی۔

❖ استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے علمی خانوادے کے چشم و چراغ حضرت مولانا محمد اسلم قاسمیؒ صدرالمدرّسین دارالعلوم وقف حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے تھے،۳۰رجون ۱۹۳۷ء کو اس قدیم علمی گھرانے میں ولادت ہوئی، دارالعلوم دیوبند کے احاطے ہی میں اپنی تعلیم مکمل کی، ۱۹۵۷ء میں فضیلت کے آخری سال دورۂ حدیث میں شریک تھے، اسی سال ابتدائی چند ماہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور شیخ الحدیث بخاری شریف کا درس دیا، پھر ان کی رحلت کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (اسیر مالٹا) کے ایک دوسرے مایۂ ناز شاگرد اور محدثِ کبیر حضرت مولانا فخرالدین احمد مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا گیا، چناں چہ بقیہ مکمل سال بخاری شریف کا درس مولانا فخرالدین نے ہی پورا کیا، اس طرح مولانا محمد اسلم قاسمیؒ نے دونوں مشائخ سے علم حدیث پڑھا اور سند حاصل کی۔

پھر ۱۹۶۰ء میں باضابطہ طور پر مولانا کو دارالعلوم دیوبند میں خدمت کیلئے منتخب کیا گیا اور شعبۂ برقیات کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی، تدریس کے شعبے سے وابستگی نہ ہوتے ہوئے بھی انھوں نے علمی خدمت جاری رکھی، علمی اور تحریری صلاحیتوں کی بنیاد پر انھوں نے ابتداءً سیرتِ رسول پر مشتمل بچوں کیلئے مختصر مختصر رسالے تحریر کیے، جو شائع ہوتے رہے اور مقبول ہوئے، پھر یہی رسالے یکجا طور پر سیرتِ پاک کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوئے اور اب بھی وہ دستیاب ہیں، اس کی تکمیل کے بعد ہی انھوں نے سیرتِ رسول پر مشتمل ایک اہم اور مستند عربی کتاب ''سیرتِ حلبیہ'' کا اردو ترجمہ شروع کیا جو چھ ضخیم جلدوں میں موجود ہے، انھیں سیرتِ رسول کے موضوع سے دلچسپی تھی اس لیے اس کا انتخاب کیا، اور تقریباً بیس سالوں تک اس میں مشغول رہے۔

اور جب اربابِ شوریٰ واہتمام نے ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی سوسالہ خدمات کے تعارف اور فضلائے دارالعلوم سے علمی رابطے کی غرض سے ''اجلاسِ صدسالہ'' منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تو ابتداءً اس کے نظم ونسق کی ذمہ داری ملک کے معروف صاحبِ قلم وصحافی اور حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے شاگرد مولانا حامدالانصاری غازی کے سپرد کی گئی، جو دارالعلوم دیوبند کے رکنِ شوریٰ بھی تھے، ان کا قیام بمبئی میں تھا، انھوں نے اس عظیم الشان تاریخی اجلاس کیلئے ایک ماسٹر پلان بھی مرتب کیا جو بلاشبہ ایک عالمی اجتماع کے شایانِ شان تھا، مگر اس کی تکمیل کسی حکومت سے ہوسکتی تھی، دارالعلوم دیوبند جیسا عوامی تعلیمی ادارہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے اربابِ حل وعقد نے اس میں ترمیم مناسب سمجھی اور اجلاس کی نظامت بھی ایک ایسی شخصیت سے متعلق کردی جن میں علمی اور انتظامی صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور جنھیں حضرت

نانوتویؒ کی نسبت حاصل تھی، اس خاندان کی اس شخصیت کا نام تھا مولانا محمد اسلم قاسمی اور اب باضابطہ اجلاس کی تاریخ بھی متعین ہوگئی۔ ۲۱/۲۲/اور ۲۳/مارچ ۱۹۸۰ء اس عظیم الشان اجتماع کو منعقد کرنے میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ، بعض ارکانِ شوریٰ اور کارکنانِ دارالعلوم نے جس اخلاص، توجہ، دلچسپی اور محنت سے اپنی خدمات پیش کیں بے نظیر تھیں، اکابر کی دعائیں، اور اللہ کی توفیق اس طرح شامل ہوئی کہ بیسویں صدی کی ایک تاریخ بن گئی۔

اس اجلاس کے ناظم اعلیٰ کے طور پر حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی کی شخصیت کا ایسا انتظامی رخ سامنے آیا جس کا حلقۂ دارالعلوم میں تصور مشکل تھا، سب سے پہلے انتظام وانصرام کے لیے اساتذہ وکارکنان پر مشتمل افراد کو لے کر ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں۔

○ رابطہ کمیٹی ○ فراہمی سرمایہ کمیٹی ○ تعمیراتی کمیٹی ○ پنڈال کمیٹی ○ ضیافت کمیٹی ○ خریداری اشیاء کمیٹی ○ نشرواشاعت کمیٹی ○ اوراسی طرح کی ضروری کمیٹیاں

اوران سب کے نگرانِ اعلیٰ تھے حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب۔

راقم الحروف بھی نشرواشاعت وطباعت کمیٹی کا ایک رکن تھا، اس لیے دفتر اجلاس صدسالہ (واقع دارالمدرّسین) میں بار بار حاضری کا موقع ملتا، اور حضرت ناظم اعلیٰ سے گفتگو یا ہدایات حاصل کرنے کا موقع ملتا، ناظم اعلیٰ کی نسبتی خوبیاں اور ذاتی صلاحیتیں سامنے آئیں۔ خاندانِ قاسمی کا حلم وتحمل اور تواضع نمایاں اوصاف رہے ہیں، ان دوسالوں میں مولانا اسلم صاحب کو ان خوبیوں کا مجموعہ اور نمائندہ پایا۔

بہرحال ان تمام امور سے حضرت مولانا اس طرح عہدہ برآ ہوئے کہ بیس لاکھ سے زائد افراد شریک اجلاس ہوئے، بیرونِ ملک عمائدین و سربراہانِ مملکت یا ان کے نمائندے شریک ہوئے اور دارالعلوم کی عظمتوں اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اجلاس کے انعقاد اور حسن کارکردگی پر رطب اللسان رہے، اور خود ناظمِ اعلیٰ پر اجلاس کے پہلے دن غشی بھی طاری ہوگئی، طویل ترین محنت، بے انتہا ہجوم اور ذمہ داری کے بار نے یہ کیفیت طاری کردی۔

مجھے بہت قریب سے تیاریوں کے دنوں میں اور عین اجلاس کے دوران بھی حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی علیہ الرحمہ کو دیکھنے اور پرکھنے کا موقع نصیب ہوا ہے، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور اکابر جماعت دیوبند کی سرپرستی میں یہ اجتماع عظیم حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی کی نمایاں کارکردگی کی ایک منفرد مثال ہے۔

اجلاس صدسالہ بیحد کامیاب رہا، دیوبند کی سرزمین نے ایک تاریخ رقم کی، دارالعلوم دیوبند نے

پوری دنیا خاص طور پر عالم اسلام کی نگاہیں اپنی جانب متوجہ دیکھی اور خدمات کا اعتراف حاصل کیا، تحسین و تائید ملی، مگر اس عظیم اجتماع کے وقت اور بعد میں ایسے حالات و واقعات پیش آئے جن کو ''فتنہ'' یا ''قضیہ نامرضیہ'' سے تعبیر کیا گیا، دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی اور انتظامی تعطل پیدا ہوگیا اور ٹھیک دو سال کے بعد ۲۲ر ۲۳ر مارچ ۱۹۸۲ء کی درمیانی شب میں وہ حادثہ پیش آیا جس کی صبح کی روشنی میں یہ عظیم ملّی سرمایہ دو حصوں میں منقسم ہوگیا۔

حکیم الاسلام حصرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور سرپرستی میں دارالعلوم ''وقف'' دیوبند کا آغاز ہوا۔

دارالعلوم وقف دیوبند کی ابتدائی زندگی انتہائی بے کسی، لاچاری اور افراتفری سے عبارت ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے ۸۵ر اساتذہ و کارکنان دیوبند کی مرکزی جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تعلیمی و انتظامی شعبہ جات کا آغاز ہوگیا۔ چند قدیم اساتذہ اور کارکنان موجود تھے، مزید اساتذہ کی ضرورت تھی، باصلاحیت علمی شخصیات کو تدریس پر بھی مامور کیا گیا۔ ان میں نمایاں نام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی علیہ الرحمہ کا ہے۔

دارالعلوم کے قضیہ سے مولانا محمد اسلم صاحب بہت متأثر ہوئے، سیرتِ حلبیہ کے ترجمہ و اشاعت کی تکمیل کے بعد کافی دنوں تک آزردہ رہے، پھر خود کو علمی امور سے وابستہ کرلیا، سب سے پہلے انھوں نے معروفِ زمانہ تفسیر رازی کا اردو ترجمہ شروع کیا، مگر جب دارالعلوم وقف دیوبند کی جانب سے ان کو تدریس کے لیے مامور کیا گیا تو انھیں کچھ تردّد و تکلف ہوا، کیوں کہ ۲۵ر سالوں سے درس و تدریس سے علیحدہ رہے تھے، اہل علم حلقہ یا طلبہ ان سے مانوس نہیں تھے، اس لیے اب تدریس پر آمادہ کرنا دشوار مرحلہ تھا، یہ مرحلہ بھی طے کیا حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو دارالعلوم وقف کی خدمت کیلئے اپنی زندگی ہی وقف کر چکے تھے، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف کی نگرانی تو تھی، مگر جملہ امور کی تکمیل کے لیے دو شخصیتیں ہی معروف تھیں۔ (۱) حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری (۲) حضرت مولانا خورشید عالم صاحب۔ خارجی اور داخلی تمام خدمات ان سے متعلق، کارکنان اور اساتذہ اپنی متعلقہ ذمہ داریوں میں مشغول۔ ادارے کی ترقی و استحکام کیلئے یہ دونوں حضرات پالیسی ساز بھی تھے اور پیہم مصروفِ کار بھی، حضرت کشمیری نے مولانا محمد اسلم کی صلاحیتوں کو قریب سے پرکھا تھا، انھیں یقین تھا کہ مولانا مرحوم تدریس کیلئے اور وقف دارالعلوم کی ترجمانی کیلئے نہا موزوں ثابت ہوں گے، کیوں کہ سیرت حلبیہ کے ترجمے کے دوران مولانا مرحوم حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مستقل رابطے میں رہے، خود ان کا بیان

تھا کہ جب بھی ترجمہ یا کسی مسئلے میں الجھتا شاہ صاحب اس کو حل کر دیتے تھے۔

اس لیے حضرت شاہ صاحب نے اصرار کیا اور تدریس کی خدمت کیلئے انھیں آمادہ کرلیا، سب سے پہلے ان کو ''جلالین شریف'' کے درس پر مامور کیا اور کئی سالوں تک انھوں نے اس طرح طلبہ کو مطمئن کیا گویا ان کو ذاتی دلچسپی بھی تفسیر قرآن سے ہی ہو۔

سیرت النبی اور تفسیر قرآن پر ان کی قدرت دراصل ان کے وسیع مطالعے کی رہین منت ہے، موضوع سے متعلق عربی اور اردو مراجع کی چھان بین اور ان پر دسترس حاصل کرنے کے بعد ہی کلام کرنا ان کی خصوصی عادت رہی، اور چند سالوں کے بعد حدیث کی متداول اور جامع کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' ان کے درس میں رہی، ایک نیا موضوع تھا، اس لیے علم حدیث اور حدیث کی کتابوں کا مطالعہ ان کی صلاحیت کا غماز ہے، اور اس کی تدریس اور کامیاب تشریح بھی طلبہ اور اہل علم میں مقبول ہوئی۔ علم حدیث کی تدریس میں اس کامیابی اور مقبولیت کے نتیجے میں دارالعلوم وقف کے ذمہ داروں نے دورۂ حدیث کی کتابیں بھی ان سے متعلق کر دیں، خاص طور پر ترمذی شریف جس کی تدریس میں فقہی مسائل اور جزئیات پر بھی بحث ہوتی ہے، اس طرح علم فقہ پر بھی ان کا مطالعہ بڑھتا گیا، اور تدریس میں طلبہ کو مطمئن کرنا اور متعلقہ ابواب پر مختصر انداز میں کلام کرنا ان کی خصوصیاتِ درس میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ابتدائی تدریسی سالوں کے بعد ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ان کی صلاحیتوں کے جلوے خطابات کی صورت میں نمایاں ہوئے، دینی مدارس کے سالانہ جلسے، سیرت النبی کے موضوع پر ہونے والے اجتماعات اور مختلف اصلاحی اجلاس میں حضرت مولانا محمد اسلم قاسمیؒ کی تقریریں بے انتہا مقبول ہوئیں اور اہل علم نے محسوس کیا کہ علوم قاسمی کی تشریح اور علم وحکمت پر مشتمل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قدس سرہٗ کے خطابات کا عکس حضرت مولانا کے بیان میں ملتا ہے اور اسلوبِ بیان بھی سادہ اور قابلِ فہم، پہلے پہل دیوبند اور اس کے اطراف کے مدارس میں ان کو دعوت دینے والوں کی تعداد بڑھی، پھر رفتہ رفتہ پورے ہندوستان میں ان کی مقبولیت اور شہرت عام ہوئی، اور ہندوستان کے مایۂ ناز مقرروں میں ان کا شمار ہونے لگا، سیرت نبی ان کا محبوب موضوع تھا، اس لیے سیرت کے ہر عنوان پر ان کی تقریریں جاری رہیں، اصلاحِ معاشرہ پر بھی ان کے بیانات بہت مفید اور مؤثر ثابت ہوتے رہے۔

۲۰۰۸ء میں دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث وصدر المدرّسین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، تو ان کے بعد صدر المدرسین کا عہدہ خالی ہوا، اور بخاری شریف جلد اوّل کی تدریس کے لیے کسی بزرگ، باکمال اور باصلاحیت محدث کی ضرورت پڑی، چناں چہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد

سالم قاسمی دامت برکاتہم نے اساتذہ کی ایک میٹنگ طلب کی، جس میں ادارے کے صدرالمدرسین کے انتخاب اور تعیین کا مسئلہ سبھوں کے سامنے رکھا اور حضرت مولانا اسلم قاسمی کی ذاتی صلاحیتوں اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ اس کے لیے موزوں ترین نام صدرالمدرسین کے لیے ان سے بہتر کوئی نہیں، اس طرح جملہ تائیدات کے بعد ان کو دارالعلوم وقف کا صدرالمدرسین نامزد کیا گیا اور بخاری شریف جلد اوّل کی تدریس بھی ان سے متعلق ہوئی۔

حضرت مولانا نے درسِ بخاری کی اہمیت اور اس کے لیے زیادہ مطالعہ کی ضرورت محسوس کی تو راقم الحروف سے فرمایا کہ اب ترمذی شریف جلد اوّل آپ سے متعلق کی جاتی ہے، چناں چہ احقر نے مکمل سال ترمذی کی تدریس کی ذمہ داری نبھائی، اور کئی سال بخاری کی تدریس کے بعد عمر کے آخری دو سالوں میں جب انھیں بیماری کا عارضہ لاحق ہوا اور بولنے یا درس دینے میں دقت ہونے لگی، تب انھوں نے بخاری جلد اوّل کے کئی پارے بھی احقر کے حوالے کر دیئے کہ باضابطہ تدریساً اس کو پڑھاؤں، خیال تھا کہ کمزوری رفع ہونے اور بیماری ختم ہونے کے بعد وہ درس و تدریس میں سابق کی طرح مصروف ہو جائیں گے اور اپنے سادہ اسلوب اور کامیاب تفہیم کے ذریعہ طلبہ کو درس سے فیضیاب کریں گے، مگر ان کی صحت رو بہ زوال ہی رہی اور چند ماہ تو دورانِ علاج صاحبِ فراش رہے۔

بالآخر ۱۳؍نومبر ۲۰۱۷ء کو خالق حقیقی سے جا ملے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات میں ترقی عطا فرمائے۔ (جاری)

درود وسلام
فضائل اور فوائد

مولانا محمد الیاس گھمن ❖

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی نازل ہو اس ذات پر جو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اعلیٰ و افضل ہے یعنی نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ پر کہ آپ ﷺ کے صدقے ساری کائنات کو وجود ملا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام (رحمت وسلامتی) بھیجنا اتنا محبوب اور پسندیدہ عمل ہے کہ قرآن کریم میں اہل ایمان کو اس کا حکم دیا گیا۔ مزید یہ کہ اپنی ذات باری کے بارے میں یہ خبر دی کہ میں خود بھی اپنے محبوب رحمۃ للعالمین پیغمبر ﷺ پر رحمتیں نازل فرماتا ہوں اور میرے ملائکہ بھی آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ امت ہونے کے ناطے ہمارے ذمہ جو نبی کریم ﷺ کے حقوق ہیں ان میں ایک اہم حق آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا بھی ہے۔ اس حق کو صحیح طور پر ادا کرنا جہاں ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے اور حکم خدا کی تعمیل ہے وہاں آپ ﷺ سے ہماری عقیدت ومحبت کا اولین تقاضا بھی ہے۔

اہل السنّت کی نشانی

امام سخاوی رحمہ اللہ القول البدیع میں فرماتے ہیں: وَاِنَّ عَلَامَةَ اَهْلِ السُّنَّةِ الْكَثْرَةُ مِنْهَا .
کہ آپ ﷺ پر کثرت سے درود پاک بھیجنا اہل السنّت ہونے کی علامت ہے۔

رحمتِ خداوندی کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پاک بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ (۱)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے اس وقت حضور ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے جبرائیل علیہ السلام نے

❖ مرکزی امیر: عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ، پاکستان
(۱) صحیح مسلم، الرقم: ۸۴۲

آ کر کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے: اے محمد ﷺ کیا آپ کو اس بات پر خوشی نہ ہوگی کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر سلام پڑھے گا میں دس بار اس پر سلامتی نازل کروں گا۔(۱)

ستر رحمتوں کا نزول

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اور اس کے فرشتے اس پر ستر رحمتیں نازل کریں گے۔(۲)

غموں سے نجات کا ذریعہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھتا ہوں۔ میں اپنی دعا کا کتنا حصہ آپ پر درود کے لیے مقرر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم پسند کرو۔ میں نے عرض کیا: ایک چوتھائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: دو تہائی؟ فرمایا: اس میں بھی اضافہ کر دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنی ساری دعا کا وقت آپ پر درود کے لیے وقف کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو تیرا ہر غم دور ہوگا اور ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔(۳)

گناہوں کی معافی کا ذریعہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا۔(۴)

فائدہ: امام سخاوی رحمہ اللہ القول البدیع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر دس بار درود بھیجے گا اللہ پاک اس پر سو دفعہ درود یعنی رحمت بھیجیں گے اور جو سو مرتبہ درود بھیجے گا اللہ جل شانہ اس پر ہزار مرتبہ درود یعنی رحمت بھیجیں گے اور جو محبت و شوق میں اس میں مزید اضافہ کرے گا میں اس کے لیے قیامت کے دن سفارشی اور گواہ بنوں گا۔

(۱) سنن النسائی، الرقم ۱۲۰۷
(۲) مسند احمد، الرقم: ۶۶۰۵
(۳) جامع الترمذی، الرقم ۲۴۵۷
(۴) مسند احمد، الرقم: ۱۱۹۳۷

عرشِ الٰہی کے سایے کا ذریعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: تین آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا ایک وہ شخص جو کسی مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹائے یا دوسرا وہ جو میری سنت کو زندہ کرے تیسرے وہ جو میرے اوپر کثرت سے درود پڑھے۔(۱)

قیامت میں حضور کی قربت کا ذریعہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔(۱)

شفاعتِ رسول ﷺ کا ذریعہ

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر دس دس مرتبہ درود بھیجے گا اس کو قیامت کے دن میری شفاعت ضرور حاصل ہوگی۔(۴)

حضرت رویفع بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص محمد یعنی مجھ پر درود پڑھتے ہوئے یوں کہے: ''اَللّٰهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' اے اللہ! محمد ﷺ کو قیامت کے دن اپنے ہاں قربت کا مقام عطا فرما، تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔(۵)

نفاق اور جہنم سے چھٹکارا

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود رحمت بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہ اس پر سو مرتبہ درود رحمت بھیجتا ہے اور جو مجھ پر سو بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر لکھ دیتے ہیں کہ یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اس کا حشر فرمائیں گے۔(۶)

اہل اسلام کا عقیدہ

جو شخص دور سے آپ ﷺ کی ذات گرامی پر درود وسلام پیش کرتا ہے وہ آپ ﷺ تک ملائکہ

---

(۱) القول البدیع ص: ۱۲۸ (۱) جامع الترمذی، الرقم: ۴۸۴ (۴) القول البدیع ص ۱۲۷

(۵) المعجم الاوسط للطبرانی، الرقم: ۳۲۸۵ (۶) المعجم الاوسط للطبرانی، الرقم: ۷۲۳۵

کے ذریعے پہنچادیا جاتا ہے اور جو شخص آپ ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرے اسے آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھے گا میں اس کو خود سنوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔(۱)

حیات النبی ﷺ کا اثبات

اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی قریب سے صلوٰۃ وسلام پڑھے تو حضور علیہ السلام خود سن لیتے ہیں اگر دور سے پڑھے تو پہنچا دیا جاتا ہے اس سے آپ ﷺ کی حیات فی القبر بھی ثابت ہوتی ہے۔

درود نہ بھیجنے پر وعید

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب جمع ہو جاؤ! ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب آپ علیہ السلام نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب دوسرے درجہ پر قدم رکھا فرمایا تو آمین۔ جب تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے ایسی بات سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہوا اور وہ درود نہ بھیجے میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے تیسرے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں میں نے کہا آمین۔(۲)

فائدہ: سید الملائکہ کا بد دعا کرنا اور سید الانبیاء اور سید الخلائق کا اس پر آمین کہنا قبولیت کے کتنے قریب ہوگا! اس میں تو شک کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ آپ ﷺ کے تذکرہ خیر پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر ہدیہ درود بھیجنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

❁......❁......❁

(۱) جلاء الافہام (۲) المستدرک للحاکم: الرقم: ۷۳۳۸

مسئلۂ تقدیر

جناب سلمان غازی ❖

مسئلۂ تقدیر پر علماء نے کتابیں اور مضامین لکھے لیکن ان میں حدیث کے سیدھے سادے مفہوم پر عموماً معتزلہ، نیچری، فسطائیہ، جبریہ اور قدریہ جیسے فرقوں کے اشکالات پر طویل مباحث ملتے ہیں جن میں الجھ کر ایک عام قاری کا ذہن انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ فرقے اب موجود نہیں اس لئے اب ان کی اعتقادی خامیوں پر بحث مفید نہیں ہوسکتی۔

ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ ہی میں بچہ کی جنت یا جہنم لکھ دی جاتی ہے۔ میں اس سے بھی آگے کی بات کہتا ہوں۔ کلام اللہ میں ابولہب کے بارے میں ازل سے ہی اس کا جہنمی ہونا لکھا جاچکا تھا جس سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ اسے وہی کرنا تھا جو اس نے کیا کیونکہ یہی اس کی تقدیر تھی تو پھر اس کا قصور کیا ہوا؟

ایک سوال یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ وعدۂ الست تو ہم میں سے کسی کو یاد نہیں۔ ہم مسلمان تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں کیونکہ کلام اللہ میں ہے لیکن یاد کسی مسلمان کو بھی نہیں۔ تو پھر ایک غیر مسلم اگر یہ شکایت کرے تو کیا غلط ہوگا کہ یا اللہ مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔ دراصل یاد تو نہیں ہے لیکن ہر شخص کے دل میں اس کا داعیہ ضرور موجود ہوتا ہے جو مسلمان کو ایمان پر قائم رکھتا ہے اور ایک غیر مسلم کو ایمان کی دعوت دیتا رہتا ہے۔ پھر صرف اسی پر تکیہ نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے بے شمار پیغمبر بھیجے جو اس وعدے کو یاد دلاتے رہتے ہیں۔ البتہ اس میں ایک بات ضرور ذہن میں ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ نعوذ باللہ مجبور نہیں کہ کسی قوم یا شخص تک ایک نبی کے ذریعے ہی اس کا پیغام پہنچے۔ نہیں۔ اور نہ جانے کتنے طریق ہوں گے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہدایت کی راہ پر آنے کی دعوت دیتے ہونگے جو ہمارے علم میں نہیں۔

غیر مسلموں کے اذہان میں یہ پیغام کس طرح پہنچتا ہوگا اسے ہم یوں نہیں سمجھ سکتے کہ ہم پیدائشی مسلمان ہیں اور لاعلمی کی اس کیفیت سے کبھی نہیں گزرے لیکن یہ عام مشاہدہ ہے کہ ایک غیر مسلم کبھی محض

❖ ڈائریکٹر اقرأ ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، بمبئی

کلام اللہ کی ایک آیت سن کر، کبھی نماز کے نظارے سے، کبھی روزے کی خوبیوں سے، کبھی حج کے دلکش نظاروں سے اور کبھی ایک مسلمان کے حسن عمل سے متاثر ہوکر ایمان لے آتا ہے۔ آخر وہ کون سی چیز ہے جو اسے اپنا پشتینی مذہب بدلنے پر مجبور کرتی ہے؟ سورہ والشّمس میں فرمایا: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰهَا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کردی۔ گویا انفرادی طور پر بھی ہر شخص کو نیکی اور بدی دلوں میں الہام فرمادی جاتی ہے۔ اب اس پر کون لبیک کہتا ہے یہ انفرادی سوچ اور ارادے پر منحصر ہے، اسے صرف ضد ہی میں نظر انداز کرسکتا ہے جو کفر ہے۔ سورۃ واللیل میں اس ذات کی قسم کھانے کے بعد جس نے نر اور مادہ پیدا فرمائے، فرمایا گیا: اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی یعنی درحقیقت تمہاری کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ یعنی تم لوگ جن راہوں اور مقاصد میں اپنی کوششیں صرف کررہے ہو وہ نہ صرف یہ کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں بلکہ نتائج کے اعتبار سے نر اور مادہ کی طرح متضاد ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اہل جہنم خواہش کریں گے کہ انہیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ نیک کام کرکے جنت کے مستحق بن سکیں۔ حق تعالیٰ کا انصاف بھی اکمل ترین ہے اس لئے ان کی اتمام حجت بھی اکمل ہوتی ہے۔ غور کیجئے کہ موت کے ساتھ ہی سارے راز کھل جاتے ہیں انسان جنت، جہنم اور فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے اور عین الیقین والی کیفیت ہوتی کہ حق اور باطل الگ الگ نظر آجاتے ہیں اور اسے یقین ہوجاتا ہے کہ حق کیا تھا اور یہ بھی کہ اس کی کفر پر موت ہورہی ہے اور وہ ایمان سے محروم رہا۔ اب اس کیفیت سے گذرنے کے بعد ایمان اور کفر کے بارے میں کوئی اشکال باقی رہنے کا سوال ہی نہیں رہتا۔ لیکن ایک حدیث کے مطابق قیامت کے روز جب لوگ پریشان ہونگے اور سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا کہ کیا کریں اس وقت حق تعالیٰ کفار اور مشرکین کے جھوٹے معبودوں کی شکل میں شیاطین کو بھیجیں گے جو اپنے ماننے والوں کو اپنی طرف بلائیں گے۔ تب یہ لوگ خوش ہوکر سوچیں گے کہ یہی تو تھے جن کی ساری عمر ہم نے عبادت کی اور اب یہ آگئے ہمیں بچانے کو، تو باوجود اُس عین الیقین کے وہ ان کے ساتھ ان کے پیچھے چلے جائیں گے اور وہ شیاطین انہیں لے کر جہنم میں گریں گے۔ یہ آخری حجت ہوگی ان کے لئے کہ دیکھو تم سب کچھ جان کر بھی پھر انہیں جھوٹے معبودوں کے پیچھے گئے اس لئے اگر تمہیں دوسری زندگی دی بھی جاتی تو تم کفر ہی کرتے۔ اس لئے اتمام حجت ہوگیا اور اب کوئی عذر نہیں باقی رہا۔

غور کیجئے تو ابولہب نے جو کچھ کیا وہ اس کا اپنا ارادہ اور مرضی تھی، کسی نے جبر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس نے اس وجہ سے کیا کہ وہ نوشتۂ تقدیر تھا بلکہ اس کا یہ فعل اللہ کے علم میں تھا جسے ہم تقدیر سمجھیں تو سارے اشکالات دور ہوجاتے ہیں۔ دوسری طرف لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک انسان ساری عمر نیک اعمال کرتا ہے

لیکن آخر وقت میں تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ کفر کی موت مرتا ہے۔ دراصل یہاں مفہوم ادا کرنے کے لئے ہم غلط الفاظ کا استعمال کر رہے ہیں جس سے اشکال پیدا ہو رہا ہے۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ تقدیر غالب آ گئی۔ نہیں اس نے جو کچھ بھی کیا وہ تقدیر کے سبب نہیں بلکہ اپنے فہم و ارادے سے اور اپنی مرضی سے کیا اور اخیر وقت میں کسی سبب سے وہ کفر کی طرف راغب ہو کر جہنم کا حقدار بن گیا۔ یہ بات کہ وہ اپنے علم، ارادے اور مرضی سے کفر اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی اور اللہ کے اسی علم کا نام تقدیر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جس شخص میں جس چیز کی استعداد پائی جاتی تھی نوشتۂ تقدیر اسی کے مطابق ہے۔ اس سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تقدیر دراصل حق تعالیٰ کے اندازے اور مستقبل کے علم کا نام ہے۔ ہم بھی مستقبل کا اندازہ لگاتے ہیں لیکن اس میں احتمال شامل ہوتا ہے، کبھی وہ وقوع پذیر ہوتا ہے کبھی نہیں اس کے برخلاف حق تعالیٰ کا اندازہ حقیقی علم ہے جس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔ اللہ کا علم مستقبل ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ وہ واقعہ حقیقتاً وقوع پذیر ہو چکا ہو اس کی مثال سورہ روم کی پہلی آیت ہے۔ فرمایا غُلِبَتِ الرُّوم یعنی رومی مغلوب ہو گئے۔ اب یہ مستقبل کی بات ہو رہی ہے، ایک واقعہ جو کئی سال بعد پیش آنا تھا لیکن چونکہ مستقبل کا علم الٰہی اتنا ہی یقینی ہے جتنا ماضی اس لئے آیت کریمہ میں ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا گیا اور یہ نہیں کہا گیا کہ رومی مغلوب ہو جائیں گے۔ غور کیجئے تو رومی اس لئے مغلوب نہیں ہوئے کہ کلام اللہ میں اس کی پیشین گوئی آ چکی تھی بلکہ اس کے لئے ایران نے تیاری کی اور اپنے ارادے سے جنگ کی۔ ان کی فتح اللہ کے علم میں تھی اور اللہ کا یہی علم تقدیر الٰہی ہے۔

بالکل اسی طرح ایک بچہ جو ماں کے پیٹ میں پل رہا ہے وہ کتنے سانس لے گا اور کون سے اعمال کر کے جنت یا جہنم کا مستحق بنے گا اس کا اندازہ (علم) حق تعالیٰ کو ہے اور یہ اندازہ اتنا ہی یقینی ہے جتنا کسی واقعہ کا وقوع پذیر ہونا ہو سکتا ہے۔ گویا وہ اس لئے جہنم میں نہیں جائے گا کہ تقدیر الٰہی یہی تھی بلکہ وہ اپنی مرضی سے سارے افعال کرے گا اور یہ افعال اللہ کے علم اور اندازے میں تھے۔ یعنی ایک شخص اگر ساری زندگی نیکی میں گذار کر عین موت کے وقت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو ہم مجازی طور پر تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقدیر الٰہی یہی تھی لیکن حقیقتاً اس نے اپنے ارادے، سوچ اور سمجھ کے مطابق کفر اختیار کیا جو حق تعالیٰ کے علم میں تھا۔ انسان جس حال میں زندگی گزارتا ہے اسی پر موت آتی ہے۔ انسان نیکی کرتا ہے لیکن دل شکوک شبہات میں مبتلا رہا تو بظاہر وہ نیکوکار تھا لیکن حقیقتاً تشکیک کا شکار تھا اس لئے موت بھی شک پر ہوئی۔

انسانی عمل کو یوں بھی سمجھئے کہ جب انسان کوئی اختیاری فعل کرتا ہے تو کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ کسی اور کا عمل ہے؟ نہیں، وہ ایسے یقین کے ساتھ عمل کرتا ہے جس کے دفع کرنے پر وہ خود بھی قادر نہیں ہوتا۔

بالفرض وہ کوئی عمل اس وجہ سے کرتا کہ وہ اُس کی تقدیر ہے تو خود اسی کا دل گواہی دیتا کہ کوئی اور اس سے عمل کروا رہا ہے۔اس لئے انسان فطرتاً ایک فعل کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اپنی ہی طرف منسوب بھی کرتا ہے۔اس سے یہ اشکال بھی دور ہوجاتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی مرضی، قدرت اور تصرف سے ہو رہا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر روئے لیکن ان کی دعائے مغفرت کی اجازت نہیں ملی۔ اس دنیا میں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہمارا کوئی عزیز جس سے ہمیں محبت ہو کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو ہمارا سارا تعیش ختم ہوجاتا ہے۔اس کی تکلیف کے سبب ہم ضیق میں مبتلا رہتے ہیں اور ہمیں کسی بھی نعمت کی کوئی خوشی نہیں ہوتی۔تو پھر جنت میں جانے والے کا کوئی عزیز اگر جہنم میں سزا پا رہا ہے تو وہ کسی نعمت سے کیسے مستفید ہوسکتا ہے۔اسے یہ خیال کھائے جائے گا کہ میرا بھائی، یا بیٹا یا ماں باپ جہنم میں ہیں۔سچ پوچھئے تو یہی چیز کار دعوت میں بھی مانع ہوتی ہے جب ایک غیر مسلم اسلام کا قائل ہوکر اسے قبول کرنا چاہتا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ اسلام لانے کے بعد اسے یہ یقین کرنا پڑے گا کہ اس کے فوت شدہ والدین جہنمی ہیں، یہ خیال اسے اسلام قبول کرنے سے روک دیتا ہے۔اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے اس دنیا میں قائل کردیا جائے اور یہ کہا جائے کہ تمہیں اگر ایمان پر موت آئے گی تو جنت یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جنتی کی کسی خواہش کو رد نہیں کیا جائے گا تو وہاں تمہاری جو بھی خواہش ہوگی اسے اللہ کے سامنے پیش کردینا جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یہ ویسے ایک الزامی جواب ہے جو ممکن ہے اسے مطمئن کردے لیکن غور کیجئے تو یہ سب اس محبت کے سبب ہوگا جو ہمارے دلوں میں ان اعزہ کے لئے ڈال دی گئی ہے، لیکن جو اللہ اس محبت کو قلوب میں ڈالنے پر قدرت رکھتا ہے وہ اسے نکالنے پر بھی قادر ہے۔کیا یہ ممکن نہیں کہ جہنم میں تکلیف پانے والے اعزہ کی محبت ہی جنتیوں کے قلب سے نکال دی جائے۔اس کو ایک موٹی سی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک ماں سے زیادہ اولاد سے کوئی محبت نہیں کرسکتا۔لیکن جب بیٹے کا انتقال ماں کے سامنے ہوجاتا ہے تو اس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ بیٹے کے مردہ جسم کو اپنی نظروں سے اوجھل کرے۔بالفرض اگر کوئی ماں اس پر اصرار کرے کہ اس کے مردہ بیٹے کو گھر ہی میں رہنے دیا جائے تو دو روز میں مردے کا جسم پھول کر سڑنے لگے گا اور وہ ماں جو اس جسم سے انتہائی محبت کرتی ہے اسے خود اس سے نفرت ہوجائے گی اور وہ کہے گی کہ اسے لے جاؤ اور دفن کردو گویا موت کے بعد پیدا ہونے والے تعفن اور گندگی کے سبب بیٹے کے اس جسم سے اس کی محبت ختم ہوجائے گی جس سے وہ اپنی جان سے زیادہ پیار کرتی تھی۔پھر اگر قیامت میں گناہگاروں کی ارواح واجسام پر بھی یہ کیفیت طاری ہوجائے تو ان ارواح سے بھی لازمی طور پر نفرت پیدا ہوجانے میں کیا

اشکال ہوسکتا ہے۔ یہ محبت اور نفرت اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے وہ اسے ختم کردینے پر بھی قادر ہے۔ جس طرح جنت میں آپسی نفرت اور عداوت ختم کردی جائے گی اسی طرح یہ بھی ممکن ہے۔

تقدیر کا مسئلہ کو بدقسمتی سے مشکل بنالیا گیا ہے۔ لغت میں تقدیر کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس عالم کا نقشہ بنالیا اور ابتدا سے انتہاء تک ہر چیز کا اندازہ لگالیا۔ فرمایا: **قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شیءٍ قَدرًا.** ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے بنائی ہے۔(۱) اس لئے دراصل اس اندازۂ خداوندی کو تقدیر کہتے ہیں۔ اللہ کے اندازے میں خطا کا امکان نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب کچھ پہلے سے متعین شدہ اور فیصل ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ تم کو کیا خبر کہ اللہ کے علم میں کیا چیز طے شدہ ہے۔ فضول بحث میں مت پڑو، تم ناگزیر کروگے وہی جو علم الٰہی میں طے شدہ ہے۔ تقدیر میں جہاں یہ طے شدہ ہے کہ فلاں شخص جنتی ہے یا جہنمی وہیں یہ بھی لکھا جاچکا کہ وہ شخص فلاں فلاں عمل کر کے اس نتیجہ پر پہنچے گا لہٰذا وہ اعمال بھی مقدر ہوئے اور ان کا صدور بھی تقدیر کا ہی ایک جزو ہوا اس لئے اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے لفظوں میں جن اعمال کے نتیجہ میں جنت یا جہنم واجب ہونا لکھا ہے ان کا ظہور بھی لازمی اور لابدی ہے۔ گویا تقدیر میں صرف نتائج ہی نہیں بلکہ اسباب وذرائع بھی پہلے ہی سے لکھے ہوئے ہیں یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جس راستے پر انسان چلے گا وہی راستہ اس کے لئے آسان ہوتا چلا جائے گا۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ کے اس قول میں بھی یہی بات ہے کہ ہر بات اللہ تعالیٰ کے علم میں طے شدہ ہے گویا انسان تقدیر کے مطابق عمل نہیں کرتا بلکہ جو عمل کرتا ہے وہی اس کی تقدیر بنتی ہے کیونکہ اس کا وہ عمل اللہ کے علم میں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں صرف جہنم سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہئے کیونکہ وہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ جنت تو اعمال کے بدلے میں ملے گی ہی نہیں وہ صرف اللہ کے فضل سے ملے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی جنت اللہ کے فضل سے ملے گی تو پھر ہما شما کس شمار اور قطار میں ہیں۔ **واللّٰہ اعلم**

۞ …… ۞ …… ۞

---

(۱) الطلاق: ۳/۶۵

موت کا ڈر

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر ❖

یہ ایک سچائی ہے اس کو کوئی مانے نہ مانے، سمجھے نہ سمجھے لیکن مسلمان اس حقیقت کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اس کے عروج اور بلند اقبال کا سبب کیا رہا اس نے جتنی بھی فتوحات حاصل کیں اور دنیا کے جس حصہ میں بھی اس نے حکمرانی قائم کی اس کی وجہ کیا تھی وجہ ظاہر ہے کہ جب تک مسلمان اپنے دین پر قائم رہے عروج ان کا نصیب رہا اور بلند اقبال ان کا ساتھی۔ جب بے دینی کی ہوائیں چلیں اور مسلمان اس کے زور میں اپنے قدموں پر کھڑے نہ رہ سکے تو حکمرانی تو چھوڑ دیجیے اسے اپنا وجود بھی باقی رکھنا مشکل ہوگیا۔ مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی زندگی کی داستان اس پہلو کو بہت نمایاں کر کے ہمارے سامنے لاتی ہے اس سے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کی صداقت کا بھی اعلان ہوتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِی اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : یُوْشَكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْكُمْ، كَمَا تَدَاعَی الْأَكِلَةُ اِلٰی قَصْعَتِهَا. فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ!؟ قَالَ : بَلْ أَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ كَثِیْرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّیْلِ، وَلَیَنْزَعَنَّ اللّٰہ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ ، وَلَیَقْذِفَنَّ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِكُمُ الوَهَنَ. فَقَالَ قَائِلٌ: یَارَسُوْلَ اللہ، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْیَا، وَكَرَاهِیَّةُ الْمَوْتِ. (۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے کہ تمہاری مثال اس پیالہ کی سی ہوگی جس میں تیار شدہ کھانا موجود ہو اور لوگ اس کے اِردگرد بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو یہ کہہ کر دعوت دیں کہ آؤ بھائی اس کو کھالو اس پر ایک شخص نے تعجب سے کہا کیا لوگوں کی یہ جرأت اس لیے ہوگی کہ ہماری تعداد اس زمانہ میں بہت کم ہوجائے گی، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں اس دن عدد

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) ابوداؤد شریف والبیہقی فی دلائل النبوۃ مشکوۃ،ص/۴۵۹)

کے لحاظ سے تم بہت ہوگے لیکن تمہاری مثال اس خس وخاشاک کی سی ہوجائے گی جو بارش کے بہتے ہوئے پانی کے اوپر تیرتا نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے (تمہاری بداعمالی کی بدولت) تمہارا خوف اور رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں الوھن کا روگ ڈال دے گا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ الوھن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ دنیا کی محبت اور موت کا خوف''۔

رسول اللہ ﷺ کے مبارک ارشاد کی صداقت ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کسی بھی حقیقت پسند انسان سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے دین سے دوری اختیار کررکھی ہے دنیا کی محبت ان کے قلب میں راسخ ہوچکی اور موت کا خوف ان کے دماغوں پر مسلط ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر اس زمانہ تک جب مسلمانوں بیدار تھا اس میں دینی حمیت تھی اور آثارِ دین اس میں باقی تھے تو کسی بھی قوت کے سامنے سینہ سپر ہوگئے کوئی بھی حکمراں اور کوئی بھی بڑی سے بڑی سلطنت انھیں موت کے خوف میں مبتلا نہ کرسکی، نگاہ اٹھا کر دیکھئے منظر وہی ہے جس کی نشاندہی نبی آخر ﷺ نے فرمائی آج کا مسلمان دنیا کے عشق میں اس قدر گم ہے کہ اسے نہ دین کی فکر ہے اور نہ آخرت کی جانب اس کا دھیان ہے، دین سے بے فکری نے اسے ذلت ورسوائی کے اندھیروں میں لاکر کھڑا کردیا اتنے غلیظ اندھیرے اور اتنی شدید تاریکی کہ اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا دنیا سے اس کی محبت کا عالم یہ ہے کہ وہ حلال اور حرام کی بھی تمیز چھوڑ چکا ہے۔ اسے پیسہ چاہیے، مال چاہیے، دولت چاہیے، بحث اس سے نہیں ہے کہ یہ دولت کہاں سے آئے گی مسلمان اپنے ایمان کو داؤ پر لگا کر دولت سمیٹنا چاہتا ہے عیش وآرام کی زندگی گزارنا چاہتا ہے یہ دولت سود کے راستے سے آئے یا حرام تجارت وکاروبار سے وہ صاحبِ مال ہو، صاحب ثروت ہو اور صاحبِ جائداد ہو یہ دلچسپی باقی رہ گئی اس کا مطمحِ نظر ان بنیادوں پر زندگی گزارنا نہیں ہے جو بنیادیں اسلام نے فراہم کی تھیں وہ تو دنیا کی دوسری اقوام کی طرح دنیا کی زندگی کو اصل زندگی سمجھ بیٹھا ہے وہ بھول گیا ہے کہ یہ زندگی ختم ہوگی اور اس کے بعد جس زندگی کا آغاز ہوگا وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔

مسلمان اس سچائی کو بھی فراموش کر بیٹھا ہے کہ اسے اپنے رب کے یہاں جواب دینا ہوگا اس سے باز پرس ہوگی اس کا محاسبہ ہوگا ایک ذات ہے جو سب سے ارفع واعلیٰ ہے جس کی حکمرانی یہاں وہاں نہیں سب جگہ قائم ہے آج اور کل کی قید سے آزاد زمانوں سے بے نیاز اس کی حکمرانی کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا وہ ذاتِ واحد تمام چیزوں کی مالک ہے اور سب کو اسی کی جانب لوٹنا ہے مسلمان سے کبھی اس بات کے صدور کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ ظلم کی راہ پر چلے گا مگر آج مسلمان نے ظلم کی راہ کو اختیار کررکھا

ہے بد دیانتی اللہ معاف کرے اس کا شیوہ بن چکی ہے ناانصافی اس کی زندگی کا دوسرا رخ ہے وہ ہر پہلو سے خالص دنیا دار ہونے کا ثبوت دے چکا ہے اس کی زندگی کے صبح وشام اس کے گواہ ہیں کہ اس نے احکامِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی سے اپنے آپ کو محروم کرلیا ہے، وہ صحابہ کرامؓ جن کی تعداد نہایت قلیل تھی جب وہ دنیا میں پھیلے تو انھوں نے اپنے اعمال، اخلاق اور جذبۂ دینی سے فتوحات کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ان میں اور ہم میں واضح فرق یہی ہے کہ وہ اللہ کے لیے زندگی جئے انھوں نے جو کام کیا اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لیے کیا ہم اپنے عیش، آرام، سہولت، آسانی کے لیے جی رہے ہیں۔دین کے لیے جو مشقتیں انھوں نے اٹھائیں اور تکلیفیں برداشت کیں ان مشقتوں کے قریب سے بھی ہم گزرنا نہیں چاہتے رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا: کہ تمہاری مثال اس پیالہ کی سی ہوگی جس میں تیار شدہ کھانا موجود ہو اور لوگ اس کے اِردگرد بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو یہ کہہ کر دعوت دیں آؤ بھائی اس کو کھالو تو اس پر ایک شخص کا تعجب سے یہ پوچھنا کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوجائے گی جواب میں نبی کریم ﷺ کا دو مرتبہ نہیں نہیں فرمانا اس بات کو بیان کرتا ہے کہ معاملہ قلت و کثرت کا نہیں، کم اور زیادہ ہونے کا نہیں بلکہ اس جذبۂ دینی اور غیرت دینی کا ہے جو ہمارے درمیان سے اٹھ چکی ہوگی، جب تک یہ جذبہ باقی ہے مسلمان دنیا پر حکمرانی کرے گا یہ جذبہ ختم ہوگا تو جو آج مسلمان کے ساتھ ہو رہا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا کیا آج مسلمان کم ہیں؟ نہیں، ماضی کے مقابلہ میں ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔لیکن ان کا رعب ختم ہو چکا کبھی ان کا نام سنتے ہی معاندینِ اسلام کے جس طرح دل کانپتے تھے اب ایسا نہیں ہوتا مخالفین کے دلوں نے کانپنا بند کردیا ہے کیوں کہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ آج اور کل کے مسلمان میں زمین وآسمان کا فرق ہے کل کا مسلمان دین کے لیے جیتا تھا اور آج کا مسلمان اپنی ذات کے حصار میں قید ہے اور اس قید سے اس کے لیے باہر نکلنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔اس کا شمار اس قوم میں ہوتا ہے جو عیش وتعیش میں پڑ کر قوتِ فکر وعمل سے محروم ہو چکی ہو اور اس کے جذبات سرد پڑ چکے ہوں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

قسط (۲)

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ بحیثیت محدث

مولانا شمشاد احمد رحمانی ❖

رسول اللہ ﷺ کے سامنے درس بخاری

ارواح ثلاثہ میں ایک اور واقعہ لکھا ہے جس سے زمانہ طالب علمی ہی سے علم حدیث میں آپ کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

''پنجلاسہ (پنجاب) میں ایک بزرگ راؤ عبدالرحمانؒ خان تھے جو انتہائی صاحب کشف تھے دردزہ کے لئے تعویذ لینے کیلئے کوئی آتا تو تعویذ کے ساتھ کہہ دیا کرتے تھے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی، بعضوں نے پوچھا بھی کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوجاتا ہے تو بولے کیا کروں پیدا ہونے والے بچے کی صورت سامنے آجاتی ہے، اکابر دیوبند سے ان کے گہرے روابط تھے خصوصاً حضرت حاجی صاحبؒ سے ان کے بڑے تعلقات تھے حضرت نانوتویؒ بھی ان سے ملنے کیلئے جایا کرتے تھے پہلے سفر حج کے موقعہ پر رخصت ہوتے ہوئے حضرت نانوتویؒ نے دعا کی درخواست کی تو بزرگ نے فرمایا۔

> ''تمہارے لئے کیا دعا کروں میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہاں کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے''۔(۱)

درس حدیث

تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے باضابطہ کسی مدرسہ میں بیٹھ کر درس نہیں دیا اور نہ ہی اس کیلئے ملازمت اختیار کی بلکہ ذریعہ معاش تو مطبع میں رہ کر تصحیح کتب کو بنایا (جو خود ایک بڑا علمی کام تھا آج کے زمانے کی پروف ریڈنگ نہ سمجھا جائے)

اور مطبع کی چہار دیواری میں ہی وقت کے علماء وفضلاء جو پروانہ وار آپ کے پاس آتے انہیں حدیث کی

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) ارواح ثلاثہ: ص ۱۹۳، نعیمیہ، دیوبند

کتابوں کا درس دیتے آپ بالخصوص صحاح ستہ کی تعلیم دیتے تھے بہت سے علماء جنہوں نے علمی دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی، اسی میرٹھ کے مطبع میں ہی حضرت نانوتویؒ سے حدیث کی کتابیں پڑھی تھیں، دار العلوم کے اول صدر المدرسین حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ تو باضابطہ اسی مطبع میں بغرض تعلیم ملازم ہی ہوگئے تھے اور آپ کے درس میں شرکت کرتے تھے اور بہت سے مشاہیر علماء جو عالم اسلام کے افق پر چمکے، انہیں حضرت نانوتویؒ کے درس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

درس حدیث کا طریقہ

حدیث کا جو طریقۂ درس حضرت شاہ عبدالغنیؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ کا طرۂ امتیاز تھا وہی طریقۂ درس حضرت نانوتویؒ کے یہاں بھی تھا، سید محبوب رضوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''درس حدیث میں مذہب حنفیہ کے اثبات وترجیح کا وہ طریقہ اور تنقیحات وتشریحات کا وہ انداز جو آج دار العلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے اور کم وبیش مدارس عربیہ میں مروج ومتداول ہے اسے فروغ دینے میں حضرت نانوتویؒ کا بڑا حصہ ہے، تیرہویں صدی ہجری کے وسط تک درس حدیث میں صرف حدیث کا ترجمہ اور مذاہب اربعہ بیان کر دینا کافی سمجھا جاتا تھا مگر جب اہل حدیث کی جانب سے احناف پر شدومد کے ساتھ یہ الزام لگایا گیا کہ ان کا مذہب حدیث کے مطابق نہیں ہے تو حضرت محمد اسحاق صاحبؒ دہلوی اور ان کے بعض تلامذہ نے مذہب حنفی کے اثبات وترجیح پر توجہ فرمائی، دار العلوم میں حضرت نانوتویؒ ،حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے حضرات نے اس کو یہاں تک فروغ دیا کہ آج حدیث کی کوئی معروف درس گاہ اس سے خالی نظر نہیں آتی''۔(۱)

خصوصیات درس

حکیم منصور علی خاں صاحب مرادآبادی جو آپ کے خاص شاگردوں میں ہیں انہوں نے آپ کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ جب کسی اہم اور مشکل مسئلہ کو جمہور کے تصورات کے خلاف ثابت فرماتے تو بڑے بڑے ارباب علم وفضل حیران اور انگشت بدنداں رہ جاتے تھے جو حکم ظاہر میں قطعاً بے دلیل وبرہان معلوم ہوتا وہ تقریر کے بعد عقل کے عین مطابق

---

(۱) تاریخ دار العلوم: ج ۱ ر ص ۱۱۲

معلوم ہونے لگتا تھا آپ کے پیش کردہ دلائل کے خلاف بڑے بڑے ارباب علم وفضل کو جرأت نہ ہوتی تھی۔''(۱)

اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جسے مشہور مصلح ومرشد قطبِ عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ (جنہوں نے میرٹھ میں حضرت نانوتویؒ کے ایک درس میں شرکت فرمائی تھی) نے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''طالب علمی کے زمانہ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے درس حدیث میں شریک ہونے کی سعادت مجھے بمقام میرٹھ میسر آئی تھی غالبًا یہ وہی زمانہ تھا جب صحیح مسلم کا درس جاری تھا، حدیث پڑھی گئی حنفیوں اور شافعیوں کے کسی اختلافی مسئلہ سے حدیث کا تعلق تھا، میں نے دیکھا کہ مولانا نے ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی جس سے کلیتہً شافعی نقطۂ نظر کی تائید ہوتی تھی طلبہ حیران ہوئے کہنے لگے کہ آپ کی اس تقریر سے تو معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ ہی کا مسلک صحیح ہے اور حنفیوں کا مذہب حدیث کے مطابق نہیں ہے، تب میں نے دیکھا کہ مولانا نانوتویؒ کا رنگ بدلا اور فرمانے لگے کہ شوافع کی طرف سے اس مسئلہ کی تائید میں زیادہ سے زیادہ کہنے والے اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہی کہہ سکتے ہیں جو تم سن چکے ہو، اب سنو! امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی بنیاد یہ ہے اس کے بعد مولانا نانوتویؒ نے پھر اس طرح تقریر کی کہ لوگ مبہوت بنے سنتے رہے ابھی جس مسلک کے متعلق ان کا یقین تھا کہ اس سے زیادہ حدیثوں کے مطابق کوئی دوسرا مسلک نہیں ہوسکتا تھا، اچانک معلوم ہوا کہ درحقیقت صحیح حدیثوں کا مفاد وہی ہے جسے امام ابوحنیفہؒ نے منقح فرمایا ہے''۔(۲)

❁......❁......❁

(۱) مذہب منصور: ج ۲ ص ۱۷۸، بحوالہ تاریخ دارالعلوم: ص ۱۱۳
(۲) سوانح قاسمی: ج ۲ ص ۴۳-۲۴۲

محسنِ انسانیت ﷺ

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی ❖

عرب کے ایک ممتاز، مہذب اور اعلیٰ روایات رکھنے والے خاندان میں سلیم الفطرت والدین کے پیٹ سے بالکل جداگانہ، عجیب وغریب خصوصیات اپنے ساتھ لئے ایک انوکھا سا بچہ یتیمی کے سائے میں پیدا ہوتا ہے۔ایک غریب مگر انتہائی شریف ذات کی دایہ کا دودھ پی کر، دیہات کے صحت بخش ماحول کے اندر فطرت کی گود میں پلتا ہے۔وہ خاص انتظام سے صحرائے عرب میں تگ ودو کرتے کرتے زندگی کی جولان گاہ میں مشقتوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرتا ہے اور بکریاں چرا کر گلّہ بانی اقوام کی تربیت پاتا ہے۔بچپن کی پوری مسافت طے کرنے سے پہلے یہ انوکھا بچہ ماں کے سایۂ شفقت سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔دادا کی ذات کسی حد تک والدین کے اس خلاء کو پر کرنے والی تھی، لیکن کچھ مدّت بعد یہ سایہ بھی چھین لیا جاتا ہے۔بالآخر چچا کفیل بنتے ہیں۔یہ گویا مادّی سہاروں سے بے نیاز ہوکر ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بار اور مشقتوں اور کلفتوں سے لبریز فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری منجانب اللہ ہورہی تھی اور مستقبل میں حالات کی نیرنگیوں اور پریشانیوں میں ایک مکمل ترین صبر وحلم اور قناعت کا بے مثال خوگر اس دُرِّ یتیم کو بنانا قدرتِ فیاض کی مشیت تھی۔

دُرِّ یتیم کی بے مثال جوانی

نرالی تھی متانت جس طرح اس کے لڑکپن کی
نرالی تھی جوانی بھی جوانِ پاک دامن کی

جوانی کے دائرے میں قدم رکھنے تک یہ انوکھا بچہ عام بچوں کی طرح شریر بن کر سامنے نہیں آتا بلکہ خلافِ فطرت بوڑھوں کی سی سنجیدگی سے آراستہ نظر آتا ہے۔جوان ہوتا ہے تو انتہائی مکہ کے فاسد ماحول میں پلنے کے باوجود اپنی جوانی کو بے داغ رکھتا ہے۔عشق اور نظر بازی، بدکاری وبدخوئی جہاں نوجوانوں کے لئے فخر کا سرمایہ بنے ہوئے ہوں وہاں یہ نیک نوجوان اپنے دامانِ نظر تک کو ایک آن بھی میلا ہونے

❖ صدر مدرسہ انصار العلوم، بنگلور

نہیں دیتا، جہاں پر گلی گلی شراب بنانے کی بھٹیاں لگی ہوں اور گھر گھر شراب خانے کھلے ہوں، جہاں قدم قدم پر ایمان واخلاق نچھاور کئے جاتے ہوں اور پھر جہاں اپنی بلانوشیوں کے چرچے فخریہ قصیدوں اور شعروں میں کئے جاتے ہوں، جہاں ان سب فالتو کاموں کی مجلسیں آراستہ کی جاتی ہوں، جہاں ان برے اور معیوب کاموں کی بزم آرائیاں سجتی ہوں وہاں یہ جداگانہ فطرت کا نوجوان کبھی قسم کھانے کو بھی شراب کا ایک قطرہ تک اپنی زبان پر نہیں رکھتا۔ جہاں قمار قومی مشغلہ چلا آرہا تھا وہاں پہ یہ مجسّمۂ پاکیزگی تھا کہ جس نے کبھی بھی مروّجہ جاہلانہ امور کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ جہاں داستان گوئی اور موسیقی کلچر کا لازمہ حصہ بنے ہوئے تھے وہاں کسی اور ہی عالَم کا یہ نوجوان لہو ولعب سے بالکل الگ تھلگ رہا۔

الگ رہنا وہ رسم رزم وبزم جاہلیت سے
وہ نفرت شرک سے اور مشرکوں کے ساتھ شرکت سے

دومرتبہ ایسے مواقع ہاتھ آئے بھی کہ یہ نوجوان ایسی مجالس تفریح میں جا پہنچا، لیکن جاتے ہی ایسی نیند طاری ہوگئی کہ دیکھنے اور سننے کا موقع ہی نکل گیا، اور اس نوجوان کا دامن پاک رہا، جہاں بتوں کے سامنے سجدہ پاشی عین دین ومذہب قرار پاچکی تھی وہاں خانوادۂ ابراھیمیؑ کے اس پاکیزہ مزاج نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے اپنا سر کبھی جھکایا، نہ اعتقاداً کبھی مشرکانہ تصوّر اپنے اندر جذب کیا، بلکہ ایک مرتبہ بتوں کے چڑھاوے کا جانور پکا کر لایا گیا تو اس نوجوان نے اس کھانے کو کھانے سے انکار کردیا۔ جہاں قریش نے زمانۂ حج میں اپنے آپ کو عرفات جانے سے الگ کرلیا تھا وہاں اس ممتاز مرتبے کے قریشی نوجوان نے کبھی اس من گھڑت علحدگی (استثناء) سے فائدہ نہ اُٹھایا۔۔ جہاں پر اولاد واحفادِ ابراھیمؑ نے مسلکِ ابراھیمیؑ کو بگاڑ کر دوسری خرابیوں کے ساتھ کعبۃ اللہ کا طواف حالتِ عُریانی (ننگے) میں کرنے کی ایک گندی بدعت پیدا کرلی تھی، وہاں اس حیادار نوجوان نے کبھی اس بدعت کو اختیار نہ کیا۔۔ جہاں جنگ وجدال ایک کھیل تھا اور انسانی خون بہانا ایک تماشا تھا، وہاں احترامِ انسانیت کا علمبردار اور اعلیٰ کردار کا یہ نوجوان ایسا تھا کہ جس کے دامنِ مُطہّر پر خون کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑی تھی۔۔ نوعمری میں اس نوجوان کو ''حربِ فُجّار'' نامی جنگِ عظیم میں شرکت کا موقع پیش آیا، اگر چہ اس نوجوان نے قریش کے برسرِ حق ہونے کی بنا پر اس میں حصّہ لیا، لیکن پھر بھی کسی انسانی جان پر خود ہاتھ نہیں اُٹھایا۔

پھر اس پاکباز وعفیف نوجوان کی دلچسپیاں دیکھئے کہ عین بہک جانے والی عمر میں وہ اپنی خدمات اپنے ہم خیال نوجوانوں کی ایک اصلاح پسند انجمن کے حوالے کرتا ہے جو ''حلف الفضول'' کے نام سے غریبوں اور مظلوموں کی مدد اور ظالموں کی چیرہ دستیوں کے استیصال کے لئے قائم ہوئی تھی۔ اس کے شرکاء

نے اس مقصد کے لئے حلفیہ عہد نامہ باندھا۔

وہ عہد تمام مظلوموں کی امداد واعانت کا
وہ آوازہ صداقت کا دیانت کا امانت کا

آپ ﷺ دورِ نبوت میں اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ ''اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں اس سے نہ پھرتا۔ آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں''۔

حجرۂ اسود کو کعبہ میں نصب کرنے کا مسئلہ

پھر اس نوجوان کی بے مثال صفات اور صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر حجر اسود نصب کرنے کے
معاملے کو لے کر قریش میں کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ اور تلواریں میانوں سے باہر نکل آتی ہیں، لیکن قدرت کے اشارے سے اس اہم قضئے کو چکانے کا شرف اسی نوجوان کے حصے میں آتا ہے، انتہائی جذباتی تناؤ کی اس مکدّر فضا میں یہ نوجوان جج اور صلح وامن کا علمبردار ایک چادر بچھاتا ہے اور اس پر حجرۂ اسود کو اُٹھا کر رکھ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ تمام قبیلوں کے لوگ مل کر اس چادر کو اٹھائیں۔ چادر پتھر سمیت حرکت میں آجاتی ہے اور جب موقع پر جا پہنچتی ہے تو وہ نوجوان اس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیتا ہے، جھگڑے اور جنگ و جدال کا سارا غبار چھٹ جاتا ہے اور تمام کے چہرے مُہرے خوشی واطمینان سے چمک اٹھتے ہیں۔

وہ چادر کا بچھانا اس پہ رکھنا سنگ اسود کا
یہ زندہ معجزہ قبل نبوت تھا محمد ﷺ کا
وہ پتھر کو نصب کرنا آپ خود جھگڑے کا چُک جانا
ہر ایک جنگجو کا آشتی کی سمت جُھک جانا

یہ نوجوان میدان معاش میں قدم رکھتا ہے تو تجارت جیسا پاکیزہ اور معزز مشغلہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ کوئی بات تو اس نوجوان میں تھی کہ اچھے اچھے سرمایہ داروں نے یہ پسند کیا کہ یہ نوجوان ان کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں لے اور کاروبار کرے۔ پھر سائب، قیس بن سائب مخزومی، حضرت خدیجہ بنتِ خویلد اور جن دوسرے لوگوں کو اس نوجوان کے حسنِ معاملت وتجارت کا عملی تجربہ ہوا۔ اور ان سب نے اسے ''تاجرالامین'' کا لقب دیا عبداللہ بن ابی الحمساء کی گواہی آج بھی محفوظ ہے کہ بعثت سے پہلے خرید وفروخت

کے معاملے میں اس تاجرِامین سے یہ طے ہوا کہ آپ ﷺ یہیں ٹھہریں میں پھر آؤں گا۔لیکن بات آئی گئی ہوگئی۔تیسرے روز اتفاقاً عبداللہ بن ابی الحمساء کا گذر اسی مقام سے ہوا تو دیکھا کہ وہ تاجرِ امین وعدہ کی ڈوری سے بندھا اُسی جگہ کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ ’’تم نے مجھے زحمت دی‘‘ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں (ابوداؤد) ایفائے عہد کی حدیں عبور کرگئیں سبحان اللہ۔

رشتہ ازدواجی کا مثالی انتخاب

بیاں کرتا کہ یہ شادی عرب کی خوش نصیبی تھی
محمد ﷺ پاک شوہر تھا خدیجہؓ پاک بی بی تھیں

خاندانِ ابراہیمیؑ کے اس چشم و چراغ اور مکہ مکرمہ کے اس سجیلے اور شریف و پاک دامن، نیک خُو وخوب رُو صالح طبیعت نوجوان کے لئے قریشِ مکہ کی شوخ وشنگ دوشیزائیں اور حسینائیں دیدہ و دل فرش راہ کرنا چاہتی تھیں، اس نوجوان سے اپنا رشتۂ نکاح منسلک کرنے کو فخر محسوس کرتی تھیں، مگر کسی اور ہی دنیا کے اس امین و پارسا بے مثال نوجوان نے ان البیلی دوشیزاوں اور حسیناؤں کو ذرا سا بھی خراج نگاہ نہ دیا بلکہ اس کے برخلاف شریکِ زندگی بنانے کے لئے اس پاکیزہ دل پچیس سالہ نوجوان نے انتخاب کیا بھی تو مکہ کی ایک چالیس سالہ معزز بیوہ کو جو شرافت اور عفت وعصمت کا پیکر تھی، کیا ہی عجیب وغریب اس نوجوان کا یہ انتخاب تھا کہ مکہ کی نوعمر شوخ وشنگ، حسن و جمال سے آراستہ جوان لڑکیوں کے بجائے اپنے سے عمر میں پندرہ سال بڑی ایسی خاتون سے رشتۂ نکاح استوار کرتا ہے جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خاندان اور ذاتی سیرت ،اخلاق وکردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتون ہے اس نوجوان کا یہ ذوقِ انتخاب اس کے ذہن، اس کی روح، اس کے مزاج، اس کے مذاق اور اس کی سیرت کی گہرائیوں کو پوری طرح نمایاں کردیتا ہے، پیغام خود وہی خاتون حضرتِ خدیجہؓ بھیجتی ہیں جو اس یکتائے روزگار و یکتائے زمانہ نوجوان کے بلند کردار سے متاثر ہوتی ہے اور یہ نوجوان اس پیغام کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو آج کے نوجوانوں کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، آپ ﷺ کے بچپن کے حالات اور جوانی کے یہ واقعات بھی سیرت کے بنیادی اور اہم نمونے ہمارے لئے موجود ہیں مگر ہماری سیرت نگاری وسیرت بیانی ان اہم اور بنیادی واقعاتِ سیرت کو موضوع نہیں بناتی ورنہ آپ کے یہ واقعاتِ سیرت نوجوانانِ اسلام کے لئے اہم مشعلِ راہ ثابت ہوں گے اور ہمارے نوجوان ان واقعاتِ سیرت کی اتباع کر کے حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق شابٌّ صالح کا نمونہ ضرور بنیں گے۔ان شاءاللہ

دوستوں کا حلقہ

اگر کسی شخص کے ذہن وسیرت کو اگر اُس کے حلقۂ احباب کا جائزہ لے کر جانچا جاسکتا ہے تو دیکھئے کہ اس عربی نوجوان کے دوست کیسے لوگ تھے، غالبًا سب سے گہری دوستی اور سب سے زیادہ بے تکلفانہ رابطہ حضرت ابوبکرؓ صدیق سے تھا۔ ایک ہم عمری اوپر سے ہم مذاقی۔ اس نوجوان کے دوستوں میں ایک شخصیت حکیم ابن حزام کی تھی، جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے اور حرم شریف کے اہم منصب پر فائز تھے۔ پھر حلقۂ احباب کے ایک اور رکن ضماد بن ثعلبہ ازدی تھے جو طبابت وجرّاحی کا کام کرتے تھے۔ اس نوجوان کے حلقۂ احباب میں کوئی بھی سطحی فطرت، پستہ ذوق اور کمینہ مزاج آدمی نہیں دکھائی دیتا، مکہ کے شریروں میں سے کسی کا نام اس فہرست میں نہیں ملتا، ظالموں اور فاسقوں میں سے کوئی اس نوجوان کے حلقۂ احباب میں دیکھائی نہیں دیتا۔

غارِحرا کی خلوت وعبادت

غریبوں پر ترس کھانا خدا کے خوف سے ڈرنا
وہ چُھپ چُھپ کر حرا کے غار میں یادِ خدا کرنا

یہ یکتائے زمانہ نوجوان گھر کی دیکھ بھال اور ذمہ داریوں، تجارت اور دنیاوی معاملات کی گونا گوں مصروفیتوں سے فارغ ہوکر جب کبھی کوئی فرصت کا وقت نکالتا ہے، تو اسے تفریحات وتعیّشات میں خرچ نہیں کرتا، اسے کوچہ گردی میں اور مجلس آرائیوں اور گپّوں میں نہیں کھپاتا، اس فرصت کے لمحات کو سوسو کر اور غفلت میں بے کار پڑے رہ رہ کر بھی نہیں گزارتا، بلکہ سارے ہنگاموں سے کنارہ کشی اختیار کرکے اور سارے مشغلوں کو تج کر حرا کی خلوتوں میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کا ذکر اپنی فطرتِ مطہرہ کی رہنمائی کے مطابق کرتا ہے، کائنات کی گہری حقیقتوں کو اخذ کرنے کے لئے اور انسانی زندگی کے رازوں کو حاصل کرنے کے لئے عالمِ انفس وآفاق میں غور وفکر کرتا ہے، اپنی قوم اور ابنائے آدمؑ کو اخلاقی پستیوں سے نکال کر مرتبۂ ملکوتی پر لانے کی تدبیریں سوچتا ہے، جس نوجوان کی جوانی کی فرصتیں اس اہم عبادت وخلوت میں صرف ہورہی ہوں کیا اس نوجوان کی اعلیٰ فطرت کے بارے میں انسانی بصیرت کوئی اچھی رائے قائم نہیں کرسکتی؟

کلمۂ حق کی صدائیں اور آپ ﷺ کی مخالفت

وہ مقصد جس کی خاطر آپؐ اس دنیا میں آئے تھے
وہ قرآں جس کو انسانوں کے خاطر آپؐ لائے تھے

ہونے والا یہ آخری نبی ﷺ اس نقشۂ زندگی کی ساتھ قریش کی آنکھوں کے سامنے اور اُن کے اپنے ہی مکّی معاشرے کی گود میں پلتا ہے، جوان ہوتا ہے اور پختگی وشعور کے مرتبہ کو پہنچتا ہے، کیا یہ پاکیزہ نقشۂ زندگی بول بول کر نہیں بتا رہا تھا کہ یہ ایک نہایت ہی غیر معمولی عظمت رکھنے والا انسان ہے؟ کیا اس اُٹھان سے اُٹھنے والی شخصیت کے بارے میں یہ رائے قائم کرنے کی کچھ بھی گنجائش کسی پہلو سے ملتی ہے کہ نعوذ باللہ یہ کسی جھوٹے اور فریبی آدمی کا نقشہ ہوگا؟ یہ کوئی جاہ طلب شخص ہوگا؟ یہ کوئی بندۂ مفاد واغراض ہوگا؟ یہ خدا کے نام کو متاعِ کاروبار بنا کر اپنی دکان چمکانے والا کوئی سوداگر ہوگا؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! خود قریش نے اس نوجوان کو صادق وامین، دانا وحکیم، پاک نفس اور بلند کردار تسلیم کیا اور بار بار تسلیم کیا! اس کے دشمنوں نے اس کی ذہنی واخلاقی عظمت کی گواہی دی اور سخت ترین کشمکش کرتے ہوئے دی، اس داعیٔ برحق کے نقشۂ زندگی کو خود قرآن نے دلیل بنا کر پیش کیا: ولقدلبثتُ فیکم عمراً من قبلہٖ افلاتعقلون (۱)

لیکن اپنی قوم کا یہ چمکتا ہوا ہیرا جب نبوت کے منصب سے کلمۂ حق پکارتا ہے تو زمانہ کی آنکھوں کا رنگ فوراً بدل جاتا ہے اور اس کی صداقت ودیانت اور اس کی شرافت ونجابت کی قدر وقیمت بازار وقت میں یکا یک گرادی جاتی ہے۔ کل تک جو شخص قوم کا مایۂ ناز فرزند تھا، آج وہ اس کا دشمن ومخالف اور اس کیلئے باعثِ ننگ گردانا جاتا ہے، کل تک جس کا احترام بچہ بچہ کرتا تھا، آج وہ ایک ایک قدر دان کی نگاہوں میں مبغوض ٹھیرتا ہے، وہ شخص جس نے چالیس سال تک اپنے آپ کو ساری کسوٹیوں پر کھرا ثابت کر کے دکھایا تھا، توحید اور نیکی وسچائی کا پیغام سناتے ہی صیرفیانِ قریش کی نگاہوں میں کھوٹا سکّہ بن جاتا ہے، کھوٹا وہ نہ تھا بلکہ صرافوں کی اپنی نگاہوں میں ٹیڑھ تھی اور ان کے اپنے معیار غلط تھے۔

کیا قریشِ مکّہ کی آنکھیں واقعی اتنی اندھی تھی کہ وہ ماحول کی تاریکیوں میں اور سماج کے اندھیروں میں جگمگاتے ہوئے چاند کی شان نہیں دیکھ سکتی تھیں؟ کیا باشتیوں کی محفل میں اونچے اخلاق، قد وقامت رکھنے والے ایک زعیم کو نہیں پہچان سکتی تھیں؟ کیا کوڑے کے انبار میں پڑا ہوا موتیوں کا اک ہار اُن کو الگ محسوس نہیں ہوتا ہوگا؟ کیا خار وخس کے ہجوم میں ایک گلدستۂ شرافت وعظمت ان سے اپنی قدر وقیمت نہیں منوا سکا ہوگا؟ نہیں نہیں قریش خوب پہچانتے تھے کہ محمد ﷺ کیا ہیں! مگر انہوں نے جان بوجھ کر آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی! مفاد اور تعصّبات نے انہیں مجبور کیا کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے بن جائیں وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا۔ اور جب کوئی آنکھیں رکھتے ہوئے اندھا بن جاتا ہے تو اس سے بڑی بڑی مصیبتیں اور تباہیاں رونما ہوتی ہیں۔

---

(۱) یونس ۱۶

قریش کی مخالفت کی وجوہات

آج اگر کسی طرح ہم مشرکین مکہ سے بات کرسکتے تو ان سے پوچھتے کہ تمہارے ہی خاندان کے اس چشم و چراغ نے جو توحید کی دعوت دی تھی وہ فی نفسہٖ کیا برائی کی دعوت تھی؟ مکہ کے اُس دُرِ یتیم نے کیا تم کو چوری اور ڈاکے کے لئے بلایا تھا؟ کیا عدل وانصاف کے اس خوگر نے تمہیں ظلم اور قتل کے لئے پکارا تھا؟ کیا امن وشانتی کے اس دُلارے نے تم کو باہم دگر لڑانے کے لئے اور قبیلے قبیلے میں فساد ڈلوانے کی تحریک چلائی تھی؟ کیا جُود وسخا اور انسانیت کے علمبردار نے مال سمیٹنے اور جائداد بنانے کے لئے ایک جماعت کھڑی کی تھی؟ آخر تم نے اس پیغام میں کیا کجی دیکھی؟ اس کے نجات دہندہ پروگرام میں کونسا شر محسوس کیا؟ انسانیت کے اُس عظیم پیکر نے کیا حیوانیت کا مظاہرہ کیا؟ تم لوگ کیوں صف بصف ہاتھ باندھ کر اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے؟

قریشِ مکہ کو جس چیز نے جاہلیت کے فاسد نظام کے تحفظ اور تبدیلی کی رَو کی مزاحمت پر اندھے جُنوں کے ساتھ کھڑا کیا، وہ یہ ہرگز نہ تھی کہ محمد ﷺ کے فکر وکردار میں کوئی رخنہ تھا، یا آپ ﷺ کی دعوت میں کوئی خطرناک مفسدہ تھا، یا آپ ﷺ کی تحریک جاہلی تمدن کو پستی کی طرف لے جانے کا موجب بنی دکھائی دیتی تھی، بلکہ وہ چیز صرف مفاد پرستی تھی، قریشِ مکہ سالہا سال کے جمے ہوئے عربی معاشرے کے سانچے میں اپنے لئے ایک اونچا مقامِ قیادت حاصل کرچکے تھے، تمام سیاسی اور مذہبی مناصب ان کے ہاتھوں میں تھے، اقتصادی اور کاروباری لحاظ سے اُن کی سیادت کا سکّہ رواں تھا، پوری قوم کی چودھراہٹ اُنہیں حاصل تھی۔ ان کی یہ چودھراہٹ اسی مذہبی وتمدنی ومعاشرتی سانچے میں چل سکتی تھی جو جاہلی دور سے چلی آرہی تھی۔ اگر وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر مجبور تھے کہ اپنی چودھراہٹ کا تحفظ کریں تو وہ پھر اس پر مجبور تھے کہ اس جاہلانہ مروجہ نظام کو بھی ہر حملے اور تنزل سے بچائیں۔

انسانیت کا نجات دہندہ

(تاریخ کے وسیع دائروں پر نظر ڈالیں تو اس میں ہمیں طرح طرح کے مصلحین دکھائی دیتے ہیں۔ شریں مقال واعظ اور آتش بیاں خطیب سامنے آتے ہیں، بہت سے فلسفہ طراز ہر دور میں ملتے ہیں، بادشاہوں اور حکمرانوں کے جُھرمُٹ ہمیشہ موجود رہے ہیں جنہوں نے عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں، جنگجو فاتحین کی داستانیں ہم پڑھتے ہیں، جماعتیں بنانے اور تمدن میں مدّ وجزر پیدا کرنے والوں سے ہم تعارف حاصل کرتے ہیں، انقلابی طاقتیں نگاہوں میں آتی ہیں، جنہوں نے نقشۂ حیات کو بار بار زیر و زبر کیا

ہے، رنگارنگ مذاہب کی بنیاد ڈالنے والے بکثرت سامنے آتے ہیں، اخلاقی خوبیوں کے داعی بھی اسٹیج پر آتے ہیں، کتنے ہی قانون ساز ایوانِ تہذیب میں جلوہ گر رہ چکے ہیں۔ لیکن جب ہم مذکورہ اشخاص کے کارناموں اوران کی تعلیمات واصلاحات کے پیدا کردہ مجموعی نتائج کو بغور دیکھتے ہیں تو صرف جُزئی قسم کی خیروفلاح دکھائی دیتی ہے، اس کے اثرات زندگی کے کسی ایک گوشے پر اُبھرتے ہیں۔ پھر اس خیروفلاح کے ساتھ طرح طرح کے فسادات ونزاعات دکھائی دیتے ہیں۔

صرف اور صرف انبیاء کے علاوہ تاریخ کے دبستانوں اور ذخیروں میں ہمیں کوئی عنصر ایسا نہیں دکھائی دیتا جو پورے کے پورے انسان کو اجتماعی انسان کو اندر سے بدل سکا ہو۔ محسنِ انسانیت ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت نے پورے کے پورے انسان کو اجتماعی طور پر اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک، مدرسہ سے عدالت تک، گھروں سے لے کر میدانِ جنگ تک چھا گیا، ذہن بدل گئے، خیالات کی رَو بدل گئی، نگاہ کا پیمانہ بدل گیا، عادات و اطوار بدل گئے، رسوم و رواج بدل گئے، تہذیب وتمدن بدل گیا، حقوق وفرائض کی تقسیمیں بدل گئیں، خیر وشر کے معیارات اور حرام وحلال کے پیمانے بدل گئے، اخلاقی قدریں بدل گئیں، دستور وقانون بدل گئے، جنگ وصلح کے اسلوب بدل گئے، معیشت وازدواج کے اطوار بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور شعبے کی کایا پلٹ گئی، اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر اور عالمی تھا، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیروفلاح کے علاوہ کچھ نہیں ملتا، کسی گوشے میں شر نہیں، کسی کونے میں فساد نہیں، کسی جانب بگاڑ نہیں، ہر طرف بناؤ ہی بناؤ، تعمیر ہی تعمیر اور ترقی ہی ترقی ہے۔ محسن انسانیت ﷺ کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃِ ثانیہ حاصل ہوئی، ایک نئی زندگی ملی، رسولِ اکرم ﷺ نے ایک نظامِ حق صبحِ درخشاں سے مطلعِ تہذیب کو روشن کرکے بین الاقوامی تاریخی دور کا افتتاح فرمایا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی محسن انسانیت ﷺ کی بعثت ایسے حالات میں ہوئی جب کہ پوری انسانیت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دورِ وحشت چل رہا تھا، کہیں شرک و بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کررکھا تھا)

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

محسن انسانیت ﷺ کا یہ مقدس انقلاب تھا، جس کے ہم پاسبان بنائے گئے تھے، یہ پیغام تھا جس کے لئے ہمیں شہداء علی الناس اور امتِ وسط وخیر امت ہونے کے بلندترین منصب پر فائز کیا گیا تھا یہ

تھا کلمہ حق جس کی امانت ہمیں اس لئے سونپی گئی تھی کہ محسن انسانیت ﷺ کی نیابت میں ہم قیامت تک انسانیت کے نجات دہندہ بنیں اور جب بھی زندگی اپنے مسائل میں الجھ جائے اور تمدن بحران میں گھر جائے تو ہم اس کے لئے سہارا بنیں۔۔لیکن ہم نے اس کلمہ حق کی مشعل کو بلند رکھنے میں کوتاہی کی اور اس نظامِ حق کا اپنے ہاتھوں ستیاناس کر کے رکھ دیا۔نتیجہ یہ ہوا کے دورِ حاضر کا قافلۂ فکر بھٹک کے غلط موڑ پر مڑ گیا،تو ہم اپنا فرض ادا کرنے کے اہل نہ تھے اور ہماری کوتاہیوں کا کرشمہ ہے کہ آج پوری حیاتِ انسانی بحران کا شکار ہے۔متضاد مادّہ پرستانہ نظریات کی آمیزش دینی سکون کو برباد کر رہی ہے۔عالمی قیادت خدا ناشناس طاقتوں کے ہاتھ میں ہے اور ہم اُنہیں طاقتوں کے دریوزہ گر اور محتاج بن کے رہ گئے ہیں۔حالات کی ٹھوکریں ہمیں بیدار نہ کر سکی،ذلتیں اور نامرادیاں ہمارے اندر احساسِ ندامت اُبھار نہیں سکیں۔عالمِ اسلام کا انتشار اور انسانیت کا بحران اسی کرنے کے اصل کام پر متوجہ نہیں کر سکا،حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاص کر محسن انسانیت ﷺ کی بعثت کو اپنا عظیم احسان مومنوں کے حق میں شمار کیا ہے،کاش ہم خداوندِ قدوس کے اس عظیم احسان کی قدر کرتے اور خدا کا شکر و سپاس ادا کرتے۔۔آؤ سوچیں اور جائزہ لیں کہ انسانیت تاریخ کے کس مرحلے سے گذر رہی ہے اور ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم نے اپنے عظیم مقام و منزل کو فراموش کر دیا، ہمارے اس بھولے ہوئے سبق کو علامہ اقبالؔ نے یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔

پَرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کے گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

اللہ ہمیں محسن انسانیت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ہر گوشے پر عمل کرنے کی توفیقِ دائمی بخشے۔آمین

علم کلام میں غور وخوض

امام ابوالحسن اشعری کا رسالہ ''استحسان الخوض فی علم الکلام'' کا خلاصہ

مفتی امانت علی قاسمی ❖

یہ رسالہ استحسان الخوض فی علم الکلام'' امام ابوالحسن علی بن اسمعیل اشعری (۲۶۰-۳۲۴ھ) کا ہے جس میں انہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا ہے، اس رسالہ میں انہوں نے اللہ تعالی کے وجود، عالم کے حدوث اور بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں کو جواب دیا ہے، اوران مسائل کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے پہلے ابوعلی جبائی معتزلی کی شاگردی اختیار کی یہاں تک کہ معتزلہ کے امام ہوگئے، پھرانہوں نے اعتزال سے توبہ کی اور بصرہ کی جامع مسجد کے ممبر پر کھڑے ہوکرانہوں نے اعلان کیا کہ میں خلق قرآن کا قائل تھا، میرا عقیدہ تھا کہ انسانی نگاہیں اللہ تعالی کونہیں دیکھ سکتی ہیں اور بندہ افعال شر کا خود خالق ہے لیکن میں ان مسائل سے توبہ کرتا ہوں اور معتزلہ سے برأت اظہار کرتا ہوں۔اس رسالہ کے شروع میں محمد الولی الاشعری نے ایک تفصیلی مقدمہ لکھا ہے جس میں انہوں نے امام اشعری کے حالات ان کے مذہب اور ان کی کتابوں کا تعارف کرایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ اشعری نے کسی مذہب کی بنیاد نہیں رکھی ہے؛ بلکہ انہوں نے سلف کا مذہب جس پر صحابہ کرام تھے کو ثابت کیا ہے۔ابن عبدالسلام شیخ الشافعیہ اور مختلف حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ مالکیہ، شافعیہ، حنفیہ اور فضلاء حنابلہ یہ سب اشعری ہیں، امام ابوالقاسم کا قول ہے کہ ابوالحسن اشعری اصحاب الحدیث کے مام ہیں بعض لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری پر جو الزمات لگائے ہیں علامہ قرطبی نے ''زجر المفتری علی ابی الحسن الاشعری'' میں اس کا جواب دیا ہے، ابوالحسن اشعری کی تصنیفات کی تعداد پچاس کے قریب بتائی جاتی ہے۔

امام ابوالحسن اشعری کا یہ رسالہ صرف ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے اپنے زمانے

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

کے بعض لوگوں کے رجحان کا جواب دیا ہے، بعض لوگوں خیال تھا کہ علم کلام میں غور وخوض کرنا اوراس کے مسائل میں کھود وکرید کرنا درست نہیں ہے اور حرکت وسکون، جسم وعرض الوان واکوان اور صفات باری میں گفتگو کرنا یہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اگر ان چیزوں میں گفتگو کرنا ہدایت کی بات ہوتی تو حضور ﷺ اس میں گفتگو کرتے اور آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کا گفتگو نہ کرنا دو وجہ سے ہوسکتا ہے یا تو آپ ﷺ کو اور صحابہ کو ان مسائل کا علم تھا اور آپ خاموش رہے، یا آپ ﷺ کو ان مسائل کا علم نہیں تھا اگر آپ کو علم تھا پھر آپ ﷺ خاموش رہے، تو ہمارے لیے بھی ان مسائل میں خاموش رہنے اور ان مسائل میں غور وخوض ترک کرنے کی گنجائش ہو جاتی ہے جیسا کہ ان حضرات کے لیے ترک خوض کی گنجائش تھی کیوں کہ اگر یہ دین کا کوئی لازمی حصہ ہوتا تو آپ کے لیے خاموش رہنے کی گنجائش نہ ہوتی اور اگر آپ ﷺ کو اور صحابہ کو اس کا علم نہیں تھا تو ہمارے لیے بھی اس کی جہالت کی گنجائش ہوگئی جیسا کہ ان حضرات کے لیے گنجائش تھی اس لیے کہ اگر اس کا علم ضروری ہوتا تو آپ ﷺ اس سے ناواقف نہ رہتے لہذا دونوں اعتبار سے علم کلام میں کلام کرنا بدعت اور گمراہی ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے اس خیال اور اعتراض کا تین جواب دیا ہے جو اس رسالہ کا اصل مقصد ہے اور یہ رسالہ اسی سوال کے جواب پر محیط ہے، شیخ ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے جہالت کو ہی اپنا رأس المال بنالیا ہے اور دین میں غور وخوض کرنا ان پر گراں گزرتا ہے یہ لوگ تقلید کی طرف مائل ہیں اور اصول دین میں تحقیق وتفتیش کو گمراہی قرار دیتے ہیں۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے ان حضرات کو پہلا جواب الزامی دیا ہے کہ ٹھیک ہے کہ آپ ﷺ نے علم کلام کے ان موضوعات پر کلام نہیں کیا ہے لیکن آپ ﷺ نے ان موضوعات پر کلام کرنے کو بدعتی اور گمراہ کہنے کے لیے بھی نہیں کہا ہے پس ایسے لوگ خود گمراہ اور بدعتی ہیں اس لیے کہ یہ لوگ ان کو گمراہ کہہ رہے ہیں جن کو حضور نے گمراہ نہیں کہا ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ علم کلام کے موضوعات جیسے حرکت وسکون، جسم و عرض، جزو غیرہ، آپ ﷺ ان مسائل سے واقف تھے اگر چہ کہ متعین طور پر آپ نے کلام نہیں کیا ہے لیکن یہ وہ چیزیں ہیں جن کی اصل قرآن وسنت میں اجمالی طور پر موجود ہیں مثلاً حرکت وسکون کی اصل قرآن میں موجود ہے اور اس سے توحید پر استدلال ہوتا ہے جیسے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کی گفتگو میں اللہ تعالی نے سورج، چاند ستارے کے ڈوبنے کی گفتگو کو نقل کیا ہے اور یہ استدلال کیا ہے کہ یہ چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ سے منتقل ہوتی ہیں اور حرکت کرتی ہیں اور یہ چیزیں اللہ تعالی میں ممکن نہیں ہیں اور جن میں یہ

چیزیں ہوں وہ خدا نہیں ہے، حضرت ابراہیم نے بھی اللہ تعالی کے وجود پر اسی سے استدلال کیا تھا۔

اسی طرح اصول توحید پر گفتگو بھی کتاب اللہ میں موجود ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے **لو کان فیھما آلھة الا الله لفسدتا** یہ جملہ بہت مختصر ہے لیکن اللہ تعالی کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ متکلمین نے توحید کے سلسلے میں جو کچھ بھی کلام کیا ہے اس کی بنیاد یہی آیت ہے، اسی طرح علم کلام کا ایک مسئلہ بعث بعد الموت کا ہے، جس میں عقلاء عرب حیران تھے اور اس کے امکان پر تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے **أاذا متنا و کنا ترابا ذلك رجع بعید** (کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائے تو ہم پھر لوٹائے جائیں گے یہ لوٹایا جانا بڑی دور کی بات ہے) **من یحی العظام و ھی رمیم** (ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد کون ان ہڈیوں میں جان ڈالے گا) شیخ اشعری کہتے ہیں کہ بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے دو طرح کے لوگ تھے ایک تو وہ لوگ تھے جو پہلی تخلیق کو تو مانتے تھے اور اس کا اقرار کرتے تھے لیکن دوبارہ پیدا کئے جانے کا انکار کرتے تھے دوسرا گروہ وہ تھا جو دونوں تخلیق کا انکار کرتا تھا اور عالم کے قدیم ہونے کا قائل تھا۔ اللہ تعالی نے دونوں گروہ کو جواب دیا ہے پہلے گروہ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا **قل یحیھا الذی انشأ اول مرة** (آپ کہہ دیجئے وہ ذات دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ زندہ کیا ہے) **ھو الذی یبدوا الخلق ثم یعیدہ و ھو اھون علیه** (وہ ذات جس نے تخلیق کی ابتداء کی ہے وہ دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ اس پر آسان ہے) یعنی جس نے پہلی مرتبہ بلا کسی مثال اور نمونے کے پیدا کیا اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا اور بھی آسان ہے۔

دوسرا گروہ جس نے دونوں تخلیق کا انکار کیا ہے اور عالم کو قدیم کہا ہے ان لوگوں کو ایک شبہ ہوا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حیاة (زندگی) کو تازہ اور گرم دیکھتے ہیں (یعنی زندگی میں حرارت اور تازگی ہے) اور موت کو ٹھنڈا اور خشک مٹی کی طبیعت کی طرح (یعنی موت میں برودت اور خشکی ہے) پس یہ کیسے ممکن ہے کہ زندگی اور موت یعنی مٹی کے درمیان اجتماع ہو اس لیے کہ حیات اور مٹی یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں کہ دو ضد کا ایک محل میں تو اجتماع محال ہے لیکن دو محل میں اجتماع ممکن ہے خود قرآن میں اس کی مثال موجود ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے **الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نا را فإذاانتم منه تو قدون** اس آیت میں غور کیجئے درخت جو ٹھنڈی اور تر ہے اس سے آگ کا خروج ہو رہا ہے جو خشک اور گرم ہے یہاں پر آگ اور درخت کا اجتماع ہو رہا ہے لیکن یہ دو محل میں ہے اسی طرح موت و حیات کا اجتماع دو محل میں ممکن ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے اس خیال کا تیسرا جواب یہ دیا کہ ان کا مسائل کا تفصیلی علم آپ کو تھا لیکن یہ

مسائل آپ کے زمانے میں پیش نہیں آئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے اس پر کلام نہیں کیا حالاں کہ اس کے اصول قرآن وسنت میں موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مسائل صحابہ کے زمانے میں پیش آئے تو صحابہ کرام نے ان پر کلام کیا ہے بلکہ مناظرہ بھی کیا ہے جیسے علم فرائض میں عول کا مسئلہ اور جدات کا مسئلہ اسی طرح حدود اور طلاق کی بعض صورتیں جس پر آپ ﷺ نے کوئی صراحت نہیں کی لیکن حضرات صحابہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اس پر کلام کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں ان مسائل میں اختلاف بھی ہوا ہے اگر نص کی صراحت ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا لیکن حضرات صحابہ نے ان مسائل کا اپنے فہم اور اجتہاد سے قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیا ہے اگر یہ مسائل حضور کے زمانہ میں پیش آتے تو آپ ﷺ بھی اس کا جواب دیتے جیسا کہ آپ کے صحابہ نے جواب دیا ہے یعنی آپ کا جواب نہ دینا اس لیے تھا کہ یہ مسائل اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔(حضرات صحابہ کے عمل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ایسا آئے جس کے سلسلے میں نص میں کوئی صراحت نہ ہو تو اجتہاد کے ذریعہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دینا چاہیے۔

ان تین جوابات کے بعد امام ابوالحسن اشعری نے غور وخوض کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے ان لوگوں سے سوال کیا ہے جو کلام میں غور وخوض کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے قرآن کا مخلوق یا غیر مخلوق ہونا ثابت نہیں ہے پھر آپ لوگ قرآن کو غیر مخلوق کیوں کہتے ہیں؟ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں کہ اگر وہ حضرات یہ جواب دیں کہ بعض صحابہ اور تابعین قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے اس لیے ہم قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں تو یہی کہا جائے گا کہ ان کو بھی وہی لازم آتا جو آپ حضرات کو لازم آتا ہے کہ وہ گمراہ ہیں اس لیے کہ انہوں نے وہ کہا جو حضور ﷺ نے نہیں کہا ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس سلسلے میں توقف کروں گا نہ قرآن کو مخلوق کہوں گا نہ غیر مخلوق کہوں گا تو ان سے کہا جائے گا کہ آپ اس توقف میں گمراہ ہیں اس لیے کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر میرے بعد یہ واقعہ پیش آئے تو توقف کرنا اور کچھ نہ بولنا اور نہ ہی آپ نے یہ کہا تھا کہ جو قرآن کو مخلوق یا غیر مخلوق کہے اسکی تضلیل وتکفیر کرنا۔

شیخ ابوالحسن نے ایک دوسرا سوال کیا ہے کہ یہ بتایئے کہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اللہ تعالی کا علم مخلوق ہے تو آپ توقف کریں گے؟ اگر اس کے جواب میں وہ حضرات یہ کہیں کہ نہیں! ان سے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ اور حضرات صحابہ سے تو اس سلسلے میں کچھ منقول نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ شکم سیر ہے، یا بھوکہ ہے، یا کپڑا پہنا ہوا ہے یا بغیر کپڑے کے ہے یا اللہ کے جسم ہے یا کیا اللہ کو دل ہے وغیرہ تو آپ کے اپنے اصول کے مطابق آپ کو خاموش رہنا چاہیے اس لیے کہ آپ ﷺ نے ان مسائل پر کوئی کلام نہیں کیا ہے اور نہ ہی آپ کے صحابہ نے کلام کیا ہے یا آپ خاموش نہیں رہیں گے اور بیان کریں گے کہ

اللہ تعالی کے لیے یہ چیزیں درست نہیں ہیں ان ان دلائل سے۔

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ میں اس وقت خاموش رہوں گا اور کوئی جواب نہیں دوں گا اور نہ ہی ایسے کہنے والے کو سلام کروں گا اور نہ ہی اس کی عیادت کروں گا اور جب وہ مرے گا تو اس کے جنازہ میں حاضری نہیں دوں گا تو ہم ان سے کہیں گے کہ آپ ان باتوں میں گمراہ اور مبتدع ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ جو ان مسائل کے بارے میں پوچھے تو خاموش رہو اور نہ ہی آپ نے یہ کہا کہ ان کو سلام مت کرو اس لیے آپ ایسا کرنے میں مبتدع ہیں پھر آپ اپنے فلسفہ کے مطابق ان لوگوں کے حق میں آپ خاموش کیوں نہیں رہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا اور کیوں آپ نے ان کی تکفیر کی حالاں کہ قرآن کے مخلوق ہونے اور قرآن کو مخلوق کہنے والے کی تکفیر کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اس کا یہ جواب دیں کہ امام احمد بن حنبل قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے اور مخلوق کہنے والے کی تکفیر کرتے تھے اس لیے ہم بھی قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں اور مخلوق کہنے والے کی تکفیر کرتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے کہ آخر امام احمد بن حنبل نے توقف کیوں نہیں کیا اور انھوں نے اس سلسلے میں کلام کیوں کیا؟

ایک آخری سوال شیخ ابوالحسن اشعری نے یہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے نذر، وصیت اور عتق کے سلسلے میں اور علم فرائض میں مناسخہ کے سلسلے میں کلام نہیں کیا ہے اور نہ کوئی کتاب تصنیف کی ہے جیسا کہ امام مالک ،سفیان ثوری امام ابوحنیفہ نے ان موضوعات پر کتاب تصنیف کی ہے پس تمہارے اصول کے مطابق تو لازم آتا ہے کہ یہ حضرات بھی مبتدع اور گمراہ ہوں کیوں کہ ان حضرات نے وہ کیا ہے جو حضور ﷺ نے نہیں کیا ہے۔ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے ہیں۔ عاقل کے لیے اشارہ کافی ہے۔

شیخ ابوالحسن نے بڑے ہی دلچسپ اور منطقی انداز میں ان لوگوں کو جواب دیا جو علم کلام میں غور و خوض کو ناپسند کرتے تھے اور علم کلام میں غور وخوض کی ضرورت پر مدلل گفتگو کی ہے۔

قسط (۱)

حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ

ایک بلند پایہ محقق، فیض رساں مصنف

مولانا محمد سجاد حسین قاسمی ❖

خدا کی سنت ہے کہ چمنستان عالم میں قسم قسم کے انسانی پھول کھلتے اور رنگ برنگی کلیاں مسکراتی ہیں اور اپنے حسن و جمال، رعنائی و برنائی سے نور ونظر کو مسرت وشادمانی بخشتی ہیں۔ اس حسین وجمیل کائنات میں نہ جانے کتنے بلبل نواسنج خاکی پیکر جنم لیتے ہیں اور اپنی ترنم ریزی اور سحر انگیز نغموں سے ذہن ودماغ کو سکون وقرار فراہم کرتے ہیں اور پھر اپنی معیاد پوری کر کے اس دنیائے رنگ وبو سے ہمیشہ کے لیے رخت سفر باندھ لیتے ہیں۔ کتنے ایسے لالہ وگل، یاسمین ونسترن ہیں جو اپنی دلآویزی اور حسن آفرینی سے دنیا کو سامان سرور بخشتے ہیں اور پھر گردش لیل ونہار کے ساتھ مرجھا کر اس طرح بکھر جاتے ہیں کہ ان میں دلکشی باقی رہتی ہے اور نہ ہی کشش، نہ ان کی رنگت اب آنکھوں کی تسکین کا سبب بنتی ہے اور نہ اس کی خوشبو دماغ کو معطر کرتی ہے۔ اس کے برعکس دبستان علم وفن، چمنستان دانش وبینش اور گلستان فضل وکمال کی کیاریاں ہمیشہ سرسبز وشاداب، ان کی پنکھڑیاں سدا تازہ اور ہری بھری، ان کی ڈالیاں ہمیشہ لچکدار اور سایہ دار، ان کے میوے ہردم شیریں ورسیلا رہتے ہیں۔ علمی دبستانوں، فکری چمنستانوں اور تحقیقی مرغزاروں کی شادابی اور تر وتازگی ہمہ وقت قائم اور دائم رہتی ہے اور کبھی خزاں آشنا نہیں ہوتی ہیں۔ اس علمی چمن کا ایک حسین ومشکبار پھول جس کی پنکھڑیوں میں علم وادب کا رنگ، جس کے دلفریب نقوش میں فکر وفن کی جلوہ گری، جس کے مشکبار عرق میں حسن اخلاق وپاکیزہ کردار کی خوشبو، جس کے دلربا خطوط میں بصیرت وفراست کے شاندار اور البیلے نقشے، جس کی بناوٹ میں اخلاص وفا، مروت وآدمیت کا خمیر شامل تھا جنھیں دنیائے علم وادب ایک بلند پایہ عالم دین، قدآور فقیہ، دوررس مدبر، حقیقت پسند مؤرخ، ژرف نگاہ مبصر، صاحب طرز نثر نگار اور پارکھ نگاہ مربی اور ممتاز محقق آفتاب فقہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سے جانتی ہے۔

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

شخصیت کے عناصر ترکیبی

مفتی صاحبؒ کی شخصیت کے بننے، سنورنے اور امت مسلمہ کے لیے مفید اور سودمند ہونے میں کئی ایک چیزیں شامل ہیں۔ ان میں سب سے اہم عامل جس نے ان کی شخصیت کو چار چاند لگایا وہ علم وعمل کا وہ بے مثال کارواں اور فکر وفن کا وہ بے نظیر قافلہ ہے جس کی صحبت انھیں نصیب ہوئی، ان کے زیر تربیت اپنا علمی سفر طے کرنا کا موقع ہم دست ہوا، ان کی بابرکت اور بافیض زندگیوں سے بلا واسطہ فیض یاب ہونے کا شرف ملا۔

محدث کبیر، فاضل یگانہ اور نابغۂ روزگار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی صحبت میں رہ کر تحقیق وتدقیق، مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کا طریقہ سیکھا، سلطان القلم محقق زماں اور زبان وادب کے بے تاج بادشاہ سے اپنی قلمی اور ادبی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا، زبان وبیان کی باریکیوں، تعبیرات اور جملوں کی قوت وتاثیر، مضامین کی اثر انگیزی اور سحر کاری کا گر سیکھا۔ مشہور عالم دین، شہرہ آفاق سیرت نگار، بلند پایہ محقق، اور ممتاز مؤرخ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے فن تحقیق اور نت نئے مسائل کو دور حاضر کی زبان میں پیش کرنے کا سلیقہ سیکھا۔

دوسرا اہم ترکیبی عنصر: ان کا شوق علم اور ذوق مطالعہ ہے جس نے انھیں نئے موضوعات پر قلم کی جولانی دکھانے کا موقع فراہم کیا۔

تیسرا اہم عنصر: اپنے کام میں مکمل انہماک اور استغراق تھا جو انھیں ہمیشہ دنیا کی آلودگیوں اور بے معنی کاموں سے کوسوں دور رکھا۔

چوتھا عنصر: ان کی فطری ذہانت وذکاوت، اخاذ دماغ اور تخلیق کار ذہن جس نے ان کو زود نگار اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کا بڑا اچھا ملکہ عطا کیا تھا۔ اسی خداداد ذہانت کی بدولت ڈھیر ساری کتابیں ان ک گوہر بار اور علم ریز قلم سے منصۂ شہود پر آئیں جو ہر عام وخاص کی چشم محبت کا سرمہ بن کر ان کے دلوں میں اجالے اور دماغ میں علم وعرفاں کے قمقمے روشن کیے، فکر ونظر کو بالیدگی بخشی، عقل وخرد کو وسعت دی اور اہل دین ودانش کے لیے ایک عظیم سوغات چھوڑی۔

پیکر اوصاف اور مجسمہ اخلاق

یہ وسیع وعریض دنیا قسم قسم کے لوگوں سے بھری پڑی ہے؛ ہر ایک کو خدا نے کمالات واوصاف سے

نوازا ہے ۔بعض کو دنیوی امور میں بے پناہ ہنرمندیوں اور مہارتوں سے سرفراز کیا ہے تو بعض کو علمی میدانوں میں محیرالعقول کارنامے سرانجام دینے کے لیے منتخب کیا ہے۔کسی کو جدید آلات واسلحہ جات اور سائنسی اختراعات کے لیے مسخر کیا ہے تو کسی کو دنیا کے حسن وجمال میں ایک نیا رنگ بھرنے کے لیے گوناگوں لیاقتوں سے نوازا ہے۔بہرصورت انسانوں کے یہ کمالات یقیناً قابل ستائش ہیں؛لیکن ان جملہ ہنرمندیوں ، صلاحیتوں اور حصولیابیوں کو بقااور دوام اسی وقت مل سکتا ہے جب اس میں انسانی اقدار، اخلاق قیم اور معنوی خوبیاں بھی ہوں۔

مفتی صاحبؒ کی ذات بابرکت بے شمار خوبیوں اور ان گنت اوصاف حمیدہ سے متصف تھی۔ حضرت والا سادگی وشرافت کا مرقع ،صلاحیت وصالحیت کا پرتو،تواضع وانکسار کا جامع ،فکر ونظر کی بلندی کا حامل، بیدارمغزی اور بالغ النظری کا سنگم،اخلاص ووفا کا تاج محل، باریک بینی وجزرسی کا جیتا جاگتا نمونہ ،نرم خوئی وخوش اخلاقی کا مجسمہ،نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کے حقیقی مصداق تھے۔آپ زندہ دل، روشن ضمیر، پاک نہاد اور پاک باطن ،مجسمۂ خلق اور پیکر مروت،فیض بخش وفیض رساں،شہید علم اور زاہد شب زندہ دار تھے۔علم وآگہی مرحوم کی شناخت، مطالعہ وکتب بینی آپ کا امتیازی تحقیقات سے دنیائے علم وادب کو روشناس کرانا آپ کی اصل پہچان تھی ۔مزید برآں آپ اپنی مہمان نوازی، دریا دلی اور دسترخوان کی کشادگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ضیافت میں نہ کوئی خاص تکلف وتصنع اور نہ ہی دل میں کوئی انقباض وگرانی ، ہرآنے جانے والے سے خندہ پیشانی سے ملنا، اس کی ضرورت کی تکمیل کے لیے اپنی بساط بھر کوشش کرنے کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ (جاری)

خاکوں کی خاک

مفتی عبدالصمد ساجد ❖

حال ہی فرانس میں وہاں کے صدر میکرو کے حکم پر رحمتِ کائنات سرورِ دو عالم نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں سخت توہین کی گئی ہے، حضور رحمت للعالمین کے توہین آمیز خاکے اور کارٹون بنا کر کھلم کھلا دیواروں پر چسپاں کیے گئے ہیں، جب پر مسلم دنیا میں سخت اضطراب، کرب اور ہیجان پایا جانا فطری عمل اور عین تقاضائے دین وشریعت ہے، اس گستاخانہ عمل کی دنیا کے کسی دین و مذہب اور کسی قانون میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نبی رحمت ﷺ کی محبت اور عزت کی حفاظت ہر مسلمان اور کلمہ گو کا سرمایہ ہے، دنیا وآخرت میں ہمارا کل آسرا اور آخری ٹھکانہ آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے، اپنی جان، مال، عزت وآبر، ماں باپ، تمام انسانیت اور کائنات کی چیز سے زیادہ محبوب اور پیارے ہمیں ہمارے محبوب نبی خاتم ﷺ ہیں، وہی ہمارے ماوی وملجا اور ایمان ومحبت کے محور ومرکز ہیں، قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے کہ: نبی کریم ﷺ کی ذات اہلِ ایمان کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ (الاحزاب:٦) اس وقت تک ہم اپنے ایمان کو نامکمل سمجھتے ہیں جب تک دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ محبت حضور خاتم الانبیاء ﷺ سے نہ ہوجائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانیت سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں (صحیح بخاری) یہی محبتِ نبوی تمام اہلِ ایمان کا سرمایہ اور نجات کا اصل سہارا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے سے فرمایا کہ تمہارا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تمہیں محبت ہے تو اس صحابی کی محبت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور صحابہ فرماتے تھے کہ ہمیں تمام حیات کسی چیز پر اس قدر خوشی نہیں ہوئی جس خوشی سرورِ کونین ﷺ کی طرف سے ملنی والی اس بشارت پر خوشی ہوئی۔(۱)

❖ معین دارالافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودہا، پاکستان

(۱) صحیح مسلم: ۲۶۳۹

بقول اقبال

کی محمد وفا سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

صحابہ کرامؓ حضرت رسول پاک سے اپنی جانوں سے زیادہ محبت کرتے تھے، میدانوں میں دیوانہ وارنعرے لگاتے تھے کہ **فداك ابی و امی یارسول اللّٰہ!** اے اللہ کے رسول ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ **وجهی لوجهك الوقاء و نفسی لنفسك الفداء،** یارسول اللہ ہمارے چہرے آپ کے چہرے کے سامنے ڈھال ہیں اور ہماری جانیں آپ کی جان کے تحفظ کے لیے قربان اور فدا ہیں۔ قیامت تک کا ہر مسلمان عشق ومحبت کے اسی جذبہ سے سرشار ہے عملی کوتاہیوں کے باوجود کوئی ادنی سے ادنی مسلمان بھی حضور رحمتِ کائنات ﷺ کی عزت وناموس پر کوئی حرف برداشت نہیں کرسکتا۔

خداوند عالم نے رسول اللہ ﷺ کا جو بلند مقام ومرتبہ اور رفعتِ شانِ عطا فرمائی ہے اسے ذرہ برابر بھی کم نہیں کیا جاسکتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ورفعنا لك ذكرك** (اے محبوب) ہم نے آپ کا ذکر اور شہرہ بلند کردیا۔ (۱) آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ آفتاب نیم روز کی طرح واضح اور روشن ہے جو سورج کی طرف تھوکے گا اس کا منہ پر پڑے گا، جو بدبخت بھی رحمت کائنات ﷺ کی شان پاک میں ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی کرے گا منہ کی کھائے گا، دنیا وآخرت میں مبغوض ٹھہرے گا، عذاب الٰہی اور انتقام خداوند کا مستحق ہوگا، ایسے دریدہ دہنوں سے حق جل س علا خود نمٹتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: بے شک آپ کی طرف سے آپ کا استہزاء اور مذاق بنانے والوں کو نمٹنے کے لیے کافی ہیں (۲) دوسرے مقام پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ایسا عذاب تیار کررکھا ہے جو ذلیل کرکے رکھ دے گا۔ (۳)

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور بقول کسے:

خاک ہو جائیں گے خاکے وہ بنانے والے
خود مٹیں گے وہ تیرا نام مٹانے والے

فرانس میں ہونے والے اس دل دوز اور افسوسناک واقعہ پر مسلمانان عالم زخمی دلوں کے ساتھ

(۱) الم نشرح:۴ (۲) الحجر:۹۵ (۳) الاحزاب:۵۷

اپنے آقا ﷺ سے محبت وعشق کا مظاہرہ کررہے ہیں اوراس گستاخی کے ردعمل میں مقدور بھر حصہ ڈال رہے ہیں، دنیائے اسلام اس پر شدید احتجاج کررہی ہے، کئی اہم مسلم شخصیات نے شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے اور مسلم امہ سے اپیل کی ہے کہ وہ فرانس سے معاشی وسفارتی بائیکاٹ کریں، چنانچہ ترکی کے غیور صدر رجب طیب اردگان نے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ ''آقا پیغمبر ﷺ کے خاکے کھلے عام عمارات پر آویزاں کرنا انتہائی مذموم اور توہین آمیز حرکت ہے، یہ آزادی نہیں، اسلام دشمنی ہے۔ یورپی فاشزم ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگیا ہے'' اور کہا کہ: ''میں اپنی قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فرانس کی مصنوعات نہ خریدیں۔''

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے اپنے ٹویٹ پیغام میں فرمایا ہے کہ ''سرور دوجہاں ﷺ کے خلاف فرانس اور اسکے صدر کی کمینگی کے بعد کیا ہم اب بھی فرانس کی مصنوعات کی خرید وفروخت استعمال اور درآمد جاری رکھیں گے؟ ان دولت کے پجاریوں کو سبق اسی وقت ملے گا جب عالم اسلام ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرے گا یہ کم سے کم ردعمل ہے جو ہم دے سکتے ہیں۔'' نیز انہوں نے ایک چینل پر صحافی سے بات کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ پاکستان کو فرانس سے سفارتی تعلقات ختم کردینے چاہئیں اور یہ ابتدائی درجے کا ردعمل ہے۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سربراہ مولانا فضل الرحمن صاحب نے کہا ہے کہ ''مسلم قوم ایسے گستاخوں کے منہ پر تھوکنا چاہتی ہے۔'' مولانا طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں کہ ''رسول اکرم ﷺ کی شانِ اطہر میں گستاخی سے ہر مسلم کا دل غم وغصہ سے بھرا ہوا ہے امت مسلمہ سے گزارش ہے کہ بائیکاٹ کی تحریک کا حصہ بن کر ہر صاحبِ ایمان ان مادہ پرستوں کی معیشت پر اک کاری ضرب کا حصہ بنے، اپنے دائرے میں ہر فرد اس بائیکاٹ کو یقینی بنائے۔'' اس لیے اس موقع پر مسلم ممالک کی قیادت کو فرانس کے خلاف ایسا اقدام کرنا چاہیے کہ وہ آئندہ ایسی کسی بھی یاوہ گوئی سے باز رہے نیز ہر مسلمان کو فرانسیسی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے، جیسا کہ قطر، یمن، ترکی اور کویت سمیت کئی مسلمان ممالک کے باحمیت مسلمانوں نے بھرپور بائیکاٹ کیا ہے۔ جہاں تک اس گستاخی کا تعلق ہے تو اس سے بدرِ نبوت کی تابانی وضوفشانی میں کوئی فرق نہیں آسکتا، بقول سید فہیم ترمذی:

چمگادڑوں کی ٹوک سے سورج کو کیا ضرر ☆ کتوں کے بھونکنے سے بجھا ہے کبھی قمر؟
اندھا ہزار کہتا رہے دن کو رات ہے ☆ کیا مان لے گا اسکی کوئی صاحب نظر
خوشبوئے مشک خود ہے سند اپنے مشک کی ☆ خورشید خود دلیل ہے اپنی اے بے خبر
نیچا دکھا سکیں گے نہ رب کے حبیب کو ☆ دنیا کے سب خبیث بھی یک جان ہوں اگر
ان کا وقار بڑھتا رہے گا یونہی فہیم ☆ خاکوں کی خاک اڑتی رہے گی نگر نگر

❁……❁……❁

حُبِ رسول ﷺ کے عملی تقاضے

مولانا عبدالقوی ذکی حسامی ❖

مومن کا دل حُب رسول ﷺ میں سرشار ہونا، لازمی اور فطری بات ہے، اور یہ محبت علی وجہ الاتم تمام مادی نسبتوں اور چیزوں سے بڑھ کر ہونا، کمال ایمان کی نشانی اور عنداللہ ورسولہ مطلوب ہے، **لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین** (۱) تم میں سے کوئی کمالِ ایمان کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک میں اسکے نزدیک اسکے والدین اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں، حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری ذات کے بعد مجھے آپ سے سب سے زیادہ محبت ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمھارا ایمان کامل نہیں، پھر حضرت عمر نے عرض کیا آپ مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم تمھارا ایمان اب مکمل ہوا، قدرتی دستور اور عشقِ رسول ﷺ کا پہلا مطالبہ عمل ہی ہے، صرف زبانی دعوۓ محبت یا تصدیق قلبی واقرارِلسانی کافی ہوتا تو عہد نبوت سے آج تک کوئی منافق اور کافر نہ ہوتا، جب تک کے کردار عملی کا اظہار نہ ہو، مومن اور منافق میں امتیاز، موحد اور مشرک میں امتیاز کیسے ہوتا، عمل پیمانہ ہے مومن صادق اور منافق کے درمیان، عشق رسول ﷺ کے باب میں زبانی دعوۓ محبت اس پھول کے مانند ہے جو کاغذ سے بنا ہو جسمیں خوشبو چُھو کر بھی نہ گزری ہو، یہی وجہ ہے کہ شیطان عمل ہی سے مومن کو روکتا ہے، اور اللہ کے یہاں بھی بندہ مستحق اجر عمل ہی کے بعد ہوتا ہے، علم بغیر عمل کے حجت ہوگا، بے عملی کی زندگی موجب غضب الٰہی ہے اور باعثِ رسوائی ہے، انسان کی طبیعت میں یہ بات فطرتاً داخل ہے کہ وہ اپنے ادنیٰ سے محسن کا بھی زندگی بھر ممنون ہوتا ہے، اسکے حکم اور ہر اشارہ کو روبہ عمل لانے کیلئے بے تاب ہوتا ہے، لیکن جہاں محسن اعظم امام الانبیاء ﷺ کے حکم کو ماننے اور اطاعت کرنے کی بات آتی ہے تو پھر انجان ہوجاتے ہیں، کلیم عاجزؒ نے ہماری موجودہ صورت حال کی حقیقت بیانی اس شعر میں یوں کی ۔

وقت جب قول کے بندوں سے عمل مانگے ہیں ☆ کوئی کہیں دبکے ہیں کوئی تو کہیں بھاگے ہیں

❖ امام وخطیب مسجد لطف اللہ حیدرآباد

(۱) بخاری

ساری کائنات پر آپ ﷺ کے احسانات نصف النہار کے سورج کی طرح عیاں ہیں، آپ ﷺ سے محبت دل کا اطمینان ہے، آپ ﷺ سے عقیدت شرطِ ایمان ہے، آپ ﷺ حکم پر عمل آوری وصفِ مسلمان ہے، حضرات صحابہ کرامؓ میں آقا ﷺ سے محبت کامل، سچے عشق، کیساتھ ساتھ بھرپور عمل بھی تھا، صحابہ کرامؓ نہ صرف حکم بلکہ آپ ﷺ کی طرف منسوب ہر حرکت کو بھی اپنی عملی زندگی کا حصہ بنایا، انفرادی ہو یا اجتماعی زندگی، شخصی معاملات ہو یا ملکی یا بین الاقوامی معاہدات، حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد، مصلیٰ پر ہو یا بسترِ حرم پر، ہر موقع پر حضرات صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی سیرت اور اسوہ کو اپنے دامن عمل سے ایسے پیوستہ رکھا، بعد والوں کیلئے وہ مقدس جماعت مینارۂ منزل بن گئی، اتباع سنت کیلئے انہیں نہ بادشاہ کی پرواہ ہے، نہ باپ کی، آقا ﷺ کے حکم کو بجالانے میں نہ دریا حائل ہوتا تھا نہ جنگل و بیاباں اور صحراء نہ گلستاں، اسی بناء پر باطل ان کے رعب سے لرز اٹھتا بقول علامہ اقبالؒ کے:

ہر مسلمان رگِ باطل کیلئے نشتر تھا ☆ اس کے آئینہ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا ☆ ہے تمھیں موت کا ڈر، اسکو خدا کا ڈر تھا

قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر اللہ رب العزت نے ایمان باللہ کیساتھ عمل صالح کا ذکر بکثرت کیا ہے، **ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنٰت الفردوس نزلا** (۱) ایک اور جگہ پر فرمایا ساری انسانیت خسران میں سوائے ایمان اور عمل صالح کے **ان الانسان لفی خسر الاالذین امنوا وعملوا الصالحات** (۲) ایک مقام پر یوں ذکر کیا **ومن عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن فاولئك یدخلون الجنة یرزقون فیھابغیر حساب** (المومن) جو نیک کام کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے (اور) وہاں بے حساب ان کو رزق دیا ملے گا (تھانویؒ) ایک مقام پر اپنی ذات سے محبت کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے حبیب سے کی اتباع کرو، **قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکمڑ ذنوبکم** (۳) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو نبی ﷺ کی اطاعت پر دو انعامات سے نوازنے کا وعدہ کیا ہے ایک اپنی محبت اور دوسرا گناہوں کی مغفرت، ایک حدیث پاک میں فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تمھارا ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک تمھارے خواہشات اور جذبات اس دین کے تابع نہ ہوجائے جسکو میں لیکر آیا ہوں **لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً**

(۱) کہف (۲) العصر (۳) ال عمران

لما جئت به (۱) اسکا عملی نمونہ ہم کو دیکھنا ہےتو حضرات صحابہ کرامؓ کی زندگی دیکھیں کہ انہوں نے کیسے لازوال نمونے بعد والوں کیلئے چھوڑے ہیں، حضرت انسؓ کو کدّ و پسند نہ تھا آقا ﷺ کو تلاش کر کے کھاتا دیکھ کر آپؓ کو بھی شوق ہو گیا، حضرت ابن عمرؓ محض اتباعِ سنت کی غرض سے اس مقام پر جہاں آقا ﷺ نے ایک سفر کے دوران قضائے حاجت کیلئے گئے تھے، کچھ دیر آپؓ نے اسی مقام پر بیٹھا، (۱) حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا اگر میں آقا ﷺ کو بوسہ کرتے ہوئے نہ دیکھتا یقبلك ماقبلتك، ثم قبله (۱) قاضی عیاضؒ نے شفاء مین فرمایا واقعتاً کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو محبوب کو محبوبات ومرغوبات حتیٰ کہ مباحات سے بھی محبت ہو جاتی ہے، ایک سچے عاشقِ رسول کا جذبہ یہ ہوتا ہے، اور ہونا چاہئے کہ وہ کردار کا غازی بنے نہ کہ محض گفتار کا، آقا ﷺ کی ہر ادا اور ہر حکم کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عملی طور پر بجالائے، دورِ فتن میں جو لوگ راہ سنت کے غازی ہوتے ہیں انہیں مژدہ ہے آقا ﷺ کا کہ اللہ انہیں شہید کا ثواب عطا فرمائے گا، قال رسول الله ﷺ المتمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر شهيد (۳)

مقام افسوس ہیکہ آج ہماری دین کے اعتبار سے حس مفقود ہو گئی، سنن، مستحبات، مباحات تو دور کی بات ہے، فرائض کا بھی پتہ نہیں، صلہ رحمی، ایثار، ہمدردی، تالیفِ قلب تو دور کی بات حقوقِ واجبہ ولازمہ تک بھی ادا نہیں ہوتے، منکرات پر نہ دل ناراض ہوتا نہ بے دینی کے ماحول میں بے چینی ہوتی ہے، معروفات کی تلقین ہے نہ دینی فضاء سے وابستگی، سچی محبت عمل پر ابھارتی ہے، سچا عشق اطاعت کا پابند بناتا ہے، ورنہ زبانی دعویٰ محض دعویٰ ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ ہمیں توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی دوزخ بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

۞......۞......۞

---

(۱) مشکوٰۃ (۱) حیاۃ الصحابہ (۱) الشفاء (۳) معجم اوسط للطبرانی بحوالہ معارف الحدیث

قسط (۱)

موجودہ دور میں مسلمانوں کے کرنے کے کام

مولانا نذیر احمد قاسمی ❖

پوری انسانیت کی فلاح و بہبود اور کامیابی و کامرانی کے لئے رب ذوالجلال نے قرآن جیسی عظیم اور مقدس کتابِ ہدایت کو نازل فرمایا۔ اور اس کی تشریح و تفہیم کیلئے محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کی ذات اقدس کو مبعوث فرمایا اور ان قرآنی تعلیمات و مقدس تفہیمات و تشریحات کو تاقیامت لوگوں تک پہونچانے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتِ برحق کو بھیجا، جس جماعت نے پوری امانت داری کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو عام کیا، اور لوگوں کو کامیاب و مقبول انداز میں سمجھایا کہ خوشحال اور پرسکون زندگی جینے کے لئے اپنا تعلق خالق حقیقی سے جوڑنا ہوگا۔ جس کے نتیجے میں انسانیت کا ایک بہت بڑا طبقہ مختلف رنگ ونسل، زبان وتہذیب اور علاقوں کی شکل میں ہونے کے باوجود جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگا۔ وہ لوگ برحق تعلیمات سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کر کے لوگوں کو یہ سمجھانے میں مصروف ہوگئے کہ دونوں جہاں کی زندگی میں کامیابی و کامرانی کا راز مذہبِ اسلام میں مضمر ہے۔ جہاں ہمیں اپنے بڑے سے بڑے معاشی، سماجی اور سیاسی مسئلے کا حل، آسان انداز میں ملے گا۔

چنانچہ لوگوں کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی اور نتیجۃً اسلامی سائے ہی میں رہ کر روئے زمین پر خلافتِ الٰہی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دینے لگے۔ پوری دنیا میں مستحکم نظامِ حکمرانی کے ذریعہ پرامن اور پرسکون زندگی کا درس دینے لگے۔ الغرض ایمان والوں نے پوری انسانیت کو اس ناقابل انکار حقیقت سے روشناس کرادیا کہ ہمارا رشتہ وشناخت قرآن مقدس کی ہدایات، نبی کریم ﷺ کی نورانی تعلیمات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجاہدانہ صفات سے قائم ہے تو ہم دنیا وآخرت دونوں ہی جگہ سرخرو ہوکر زندگی گزار سکتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ کیروشن ابواب اس طرح کے حقائق وواقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔

لیکن اختلاف اس دنیا کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے جیسا کہ رات و دن، سرد وگرم، جوانی و بڑھاپا اور

❖ استاذ معہد کتاب وسنت، بہوبی بی مسجد،، پام ایونیو، کولکاتا

بہار وخزاں کا اختلاف اس پر شاہد عدل ہے۔لیکن انسان میں اختلاف کبھی انقلاب وکامیابی کا سبب تو کبھی بےحسی کی وجہ سے زوال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

افسوس صد افسوس! موجودہ دور میں کچھ اس طرح کی صورتِ حال امت مسلمہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے کہ دشمنانِ اسلام کے بتائے ہوئے سبز باغ، دامنِ تزویر کے شکار ہوکر اور گمراہ کن افکار ونظریات سے متاثر ہوکر جو اختلافات امت کی زندگی میں رونما ہوئے ہیں اور غور وفکر کے نہج میں جو تبدیلیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں اور بےحسی کا جو ماحول بنتا جارہا ہے اس سے زوال کے عمیق غار اور مہیب قعرِ مذلت کا یہ امت شکار ہونے لگی ہے اس لئے سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ بےحسی وبےشعوری کی دبیز چادر کو اپنے جسم سے جلد از جلد اتار پھینکیں اور اس امت کے دانش مند و دردمند حضرات علمائے کرام نے قرآن واحادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حیات وکارنامے کی روشنی میں اس امت کی سیاسی، معاشی اور سماجی حیثیت سے روبہ زوال ہونے کے جو اسباب بیان کئے ہیں، ان کا بلا تاخیر مطالعہ کرکے ہوش کے ناخن لیں، اور ان اسبابِ زوال کے ازالہ وخاتمہ کے لئے جو راہ نما ہدایات بیان کئے ہیں ان پر عمل پیرا ہوکر اسلاف کی زندگی کے روشن باب کا دوبارہ احیاء کرنے کی کامیاب کوشش میں مشغول ہوجائیں، یہی سعی انشاء اللہ ہمارے لوگوں کے لئے دنیوی زندگی میں ترقی کا ضامن بنے گی اور اخروی زندگی کے لئے ذخیرہ بن جائے گی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی المعروف علی میاںؒ ندوی نور اللہ مرقدہ نے دردمندانہ انداز میں قرآن، حدیث، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور انسانی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ زمانہ میں اس امت کے زوال کے جو بنیادی اسباب اور ان کا حل بیان کیا ہے وہ اختصار کے ساتھ یہاں زیرتحریر ہیں، اللہ تعالیٰ اس تحریر کو ایمان والوں کے لئے عبرت ونصیحت کا ذریعہ بنائے۔

مشرکانہ اعمال وعقائد

قرآن کریم میں اہلِ کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُھُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَذِلَّۃٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ.** (۱)

ترجمہ: بلاشبہ جن لوگوں (اہل کتاب) نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا ان کو پہنچے گا غصہ ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت مرحومہ کو اس بات کا درس دیا ہے کہ ایمان

(۱) الاعراف

لانے کے بعد مشرکانہ اعمال سے کسی طرح کا تعلق غضبِ الٰہی اور دنیوی رسوائی کا سبب ہے۔

قارئین! دینی تعلیم سے دوری اور ایمانی کمزوری کی وجہ سے بہت سے ایسے اعمال وعقائد ہماری زندگی میں گھر کر چکے ہیں جن کا تعلق براہِ راست شرک سے ہے، خواہ وہ حاکم وقت سے متاثر ہوکر یا اس کی رضا جوئی کے لئے ہو، یا مساوات ورواداری کے نام پر ہی کیوں نہ ہو، یا ان سے اظہارِ یگانگت ویکجہتی کے لئے ہو، یا اپنے مال وجان کی حفاظت کی آڑ میں ہو، بہر حال شرکیہ اعمال وعقائد غضبِ الٰہی، دنیوی زندگی میں ذلت ورسوائی اور غلامیت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ میں اس کا برملا اظہار ہے، اس لئے زندگی کی ہر سطح میں ان سے کلی اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔

اخلاق واعمال کا فساد اور اس کے برے نتائج

آج امت کا ہر فرد بداخلاقی وبدکرادی کا رونا رورہا ہے۔ ہماری زندگی سے اخلاص وللّٰہیت، صداقت وامانت، طہارت ونظافت، خوداعتمادی، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت، اولاد کی اسلامی تربیت، جذبہ کسبِ حلال پر مبنی تجارت اور حلال وحرام کی تمیز رخصت پذیر ہے، جب کہ قوموں کا عروج وزوال، عزت وذلت اور سربلندی ورسوائی کا دارومدار ان کے اخلاق وکرادر پر ہے، اگر کوئی قوم نمایاں اخلاق سے عاری ہوگئی تو ان کے لئے ذلت وہلاکت مقدر بن جاتی ہے جیسا کہ سابقہ اقوام پر عذابِ الٰہی کے نزول کے اسباب سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حتیٰ کہ اگر امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کردیتی ہے تو اس کی دعائیں عنداللہ مقبول نہیں ہوتی ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَامُرُنَّ بَالْمَعْرُوْف ، وَ لَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَر او لَیُوْ شِکَنَّ الله انْ یَبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَابًا منه ثُمَّ تَدْعُوْنَه فَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ (۲)

شہرت اور عزت کا حد سے بڑھا ہوا شوق اور رسم ورواج کی شریعت کی طرح اور اکثر اس سے زیادہ پابندی۔ ہر انسان شہرت کا طالب ہے، عزت کا متمنی ہے، اور اس طلب وتمنا کا نشہ جب کسی کے سر چڑھتا ہے تو اس کے لئے کسی بھی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کبھی تو حیوانیت شرمسار ہوجاتی اور کبھی بے دریغ اموال صرف کئے جاتے ہیں، اور کبھی اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ وحشیانہ سلوک کو بھی روا سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول میں رسم ورواج کا بالخصوص معاشرتی سطح پر بہت زیادہ التزام کیا جاتا ہے اور اس کے شوق میں شریعت کے احکام کو بڑی آسانی سے قربان کیا جاتا ہے۔

---

(۲) رواہ الترمذی

مسرفانہ تقریبات

یہ بات اسلامی شریعت، دینی مزاج اور انسانی نقطہ نظر کے بالکل خلاف ہے کہ جہاں لاکھوں افراد نان شبینہ سے محروم، امت کے بے شمار بچے وسائل کے فقدان کے سبب تعلیم و تربیت سے دور اور فقر و مسکنت کے باعث کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہوں، ہزاروں ادارے (جو ملت کے لئے روح کا حکم رکھتے ہیں) اور بیسیوں منصوبے جن کی تکمیل کے بغیر اس ملت کا وجود مشکوک اور مستقبل تاریک ہے) موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ ایسے حالات میں ہمارے اہل ثروت تجار اور ذی حیثیت لوگ اپنی اولاد کی شادیوں، خوشی کی تقریبوں اور رسومات کی تکمیل میں اور برتھ ڈے جیسے لایعنی شریعت مخالف پروگراموں میں پانی کی طرح روپیہ بہائیں یہ کسی باشعور صاحبِ شریعت قوم کے افراد کو زیب نہیں دیتا ہے، اگر دیکھا جائے تو اچھے اچھے لوگ ان آیات کا مصداق ہیں: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (۱)

ترجمہ: بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ

ملّی اجتماعی تقاضوں اور ضرورتوں سے چشم پوشی اور ملت کی حفاظت وتقویت سے غفلت

قرآن مجید سے یہ بات صاف طریقہ سے ثابت ہوتی ہے کہ امت کے ملی اور اجتماعی تقاضوں اور دین کی حفاظت و اشاعت کے مطالبہ اور اس کی ضرورتوں میں اپنا مال صرف کرنے سے آنکھیں بند کر کے افراد کا اپنے ذاتی کاروبار اور اپنی معاشی ترقی و استحکام کی فکر و کوشش میں انہماک صریح خودکشی کے مترادف ہے، اور جو جماعت یہ غلط راستہ اختیار کرتی ہے، وہ اپنے ہاتھوں ہلاکت کے غار میں گرتی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اس وقت ایک فیصلہ کن مرحلہ سے گزر رہے ہیں۔ یہاں ملت اسلامیہ ہندیہ کی بقاء کے لئے ایک بڑی پرعزم لیکن دانش مندانہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہاں مسلمانوں کے ملی وجود، ان کی اجتماعی شخصیت و انفرادیت بقاء کے لئے کچھ کاموں کی تکمیل ضروری ہے۔ وہ اسی ملک میں مسلمانوں کی حیثیت سے رہیں، محفوظ ہوں، باعزت ہوں، موثر اور فیصلہ کن ہوں اور اس ملک کو مہیب خطرہ اور مہلک زوال سے بچا سکیں۔ اس کے لئے چند تعلیمی و تعمیری کوششوں، تحریکوں اور عظیم اداروں اور فکری مرکزوں کی ضرورت ہے، اگر اس کے لئے ابھی سے ہی موثر اقدامات نہیں کئے گئے تو جب آنکھ کھلے گی تب تو ان کو نظر آئے گا کہ وہ دفعتاً ہر چیز سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور ایک تن آسان اور خدا فراموش اور فرض ناآشنا قوم کی طرح ان کا حال بھی یہی ہوگا:

---

(۱) الفرقان

فَاتٰهُمُ اللهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْ ا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (۱)

ترجمہ: چنانچہ ان کے پاس اللہ کا عذاب آپہنچا جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں تھا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

تعمیری و تعلیمی اداروں اور مرکزوں کی زبوں حالی اور حفاظت واشاعت اسلام کی کسمپرسی

مسلمانانِ ہند سیاسی تبدیلیوں اور معاشی انقلابات کے باوجود الحمد للہ اس پوزیشن میں ہیں کہ وقت کو ضائع کئے بغیر احیاء وبقاء اسلام اور مسلمانوں کے مذہبی تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں کے مرکزی، دینی، تعلیمی و تعمیری ادارے پوری کفالت کے ساتھ بہ حسن وخوبی چلا سکتے ہیں لیکن کتنی تحریکیں ہیں جن کی کامیابی کے بغیر مسلمانوں کا تعلیمی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا، کتنے مرکز ہیں جو تعلیم یافتہ مسلمانوں اور نوجوانوں کو ذہنی، تہذیبی ارتداد سے (جو سیلاب کی طرح آرہا ہے) بچانے میں مدد دے سکتے ہیں، نوجوانوں کے ذہن میں اسلام اور اس کے مستقبل پر اعتماد (جس کو مغربی تعلیم وافکار نے متزلزل کردیا ہے) بحال کرسکتے ہیں۔ مستشرقینِ مغرب کے پھیلائے ہوئے زہر کے لئے تریاق مہیا کرسکتے ہیں اور ان کا علمی محاسبہ کرکے ان کو بے اثر بنا سکتے ہیں، کتنے مرکز ہیں جو بدلے ہوئے حالات میں اسلام کے ابدی قانون اور زندگی کے رواں دواں قافلہ کے درمیان رفاقت و مطابقت پیدا کرسکتے ہیں، کتنے افراد اور ادارے ہیں جو مغربی زبانوں اور ہندوستان کی مقامی بولیوں میں اسلام اور قرآن وسیرت نبوی کا تعارف کرا سکتے ہیں؟

اور ان سب سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں جو حق کی جو یا اور جمال جہاں آرا نبوی کی نادیدہ عاشق ہیں۔ زیر تعلیم مسلم نوجوانوں کی حفاظت وتربیت کے لئے کتنے منصوبے ہیں جو ان کو الحاد وفساد کا لقمہ تر بننے سے بچا سکتے ہیں اور ان میں ایمان کی چنگاری کی حفاظت کرسکتے ہیں لیکن یہ سب تحریکیں اور ادارے یا تو وسائل کے فقدان کی وجہ سے ایک خواب شیریں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، یا اگر کہیں وجود میں آگئے تو مفلس کے چراغ کی طرح ٹمٹمار ہے ہیں۔ (جاری)

❁……❁……❁

(۱) الحشر

سنت نبوی ﷺ کی اہمیت

مولانا منظور احمد قاسمی ❖

اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان نے کسی کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنا رکھا ہے، جس کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ سمجھ کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے مقتدا کے ہر فعل وقول کے مطابق اپنی حیات کو ڈھالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اور اسکی پیری واتباع پر فخر محسوس کرتا ہے، اور اسکے فضائل ومناقب کا تذکرہ کرتا نہیں تھکتا، اس دنیا فانی میں پائے جانے والے تمام ادیان باطلہ ومذاہب ضالہ کے پیشوا ورہنما پائے جاتے ہیں، جو اپنی قوم کے لیے گمراہی کا راستہ ہموار کر کے جہنم کے مستحق بنا رہے ہیں، اور ابدی عذاب الٰہی کے حقدار بنا رہے ہیں، اور یہ حقیقت چڑھتے سورج کی طرح واضح اور روشن ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بڑا کوئی مقتدا اور پیشوا اس نیل گو آسمان اور زمین نے نہ دیکھا تھا اور نہ دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکیں گے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کا ہر قول وفعل اللہ کی مرضی سے سرزد ہوتے تھے، اس سے بھی آگے بڑھ کر آپ کا تبسم فرمانا اور آنسوں بھی بہانا بھی من جانب اللہ ہوتا تھا، جس ذات کے فرمودات وارشادات بذریعہ وحی الٰہی ہوں، ایسی مقدس ہستی وبزرگ وبرتر ذات کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنے لیے نمونہ بنانا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار کر اپنے آپ کو قعر مذلت میں ڈھکیلنے سے کم نہیں ہے، اور قرآن جیسی متبرک آسمانی کتاب نے جس ذات کے بارے میں ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا ہو، وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى کہ وہ ان کے قول وفعل میں نفس کو دخل نہیں ہے، اور وہ اپنی مرضی سے کچھ بول نہیں سکتے، جن کو بات کرنے کے لیے آسمانی حکم کا انتظار ہو، جس عظیم ہستی کی خاموشی بھی شریعت ہو، ایسی بوقلموں صفات کی حامل عظیم شخصیت کی تعلیمات وہدایات کا ہر گمراہی اور بیراہ روی سیپاک ہونا امر یقینی ہے، اسی (حضور پاک ﷺ) ذات والا ستودہ صفات کی وجہ سے مذہب اسلام کو تمام مذاہب وادیان پر فوقیت وبرتری حاصل ہیکہ مذہب اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی پاک تعلیمات وہدایات کا درس دیا ہے، زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے، جس میں دین اسلام نے رہبری ورہنمائی نہ کی ہو، یہاں تک قضاء حاجت اور پیشاب کرنے کا طریقہ بھی

❖ استاذ دارالعلوم میٹھے کا تلا، اسعد نگر ملوا

سکھایا ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایات سے زندگی کا کوئی شعبہ خالی نہیں، زندگی کے ہر موڑ پر نبی کریم ﷺ کی ہدایات موجود ہیں، انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے سنت کا تعلق ہے۔ آپ اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ تعلیمات نبی زندگی کے ہر شعبہ میں کس طرح پائی جاتی ہیں، زندگی کے ہر شعبہ سے سنت نبوی کا تعلق ہے۔ واقعہ ملاحظہ فرمائیں! **عن سلمان قال، انه قيل علمكم نبيكم حتى الخراءة، قال أجل نهانا أن نستقبل القبلة لغائط أو بول الخ** کہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت سلمان فارسی سے یہود کی طرف سے سوال کیا گیا کہ تم کو تمہارے نبی نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے؟ یہاں تک استنجاء کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے، تو جواب میں حضرت سلمان نے فرمایا کہ جی ہاں ہم کو ہمارے پیارے نبی نے استنجاء کرتے وقت قبلہ رو بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی نمونہ وآئڈیئل اور مقتدا بنائے جانے لائق تر ہے اور اللہ تعالی نے آپ علیہ السلام کو پوری انسانیت کے لیے نمونہ بنایا ہے اور خدا تعالی نے وعدہ اور کبھی وعید کے ذریعہ راہ سنت اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے، آپ کی تعلیمات ہدایات کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرنا دنیا وآخرت میں فلاح وبہبودی کا ذریعہ ہے، راہ سنت اختیار کئے بغیر ایمان کی تکمیل ناممکن ہے، آپ کا طور وطریق وآپ کی سنت پر عمل ہی فوز آخرت کا سب سے بڑا ذریعہ ووسیلہ ہے، آپکے ارشادات کو چھوڑنا دونوں جہاں کی ناکامیوں سے عبارت ہے، آپ ﷺ کی سنت کا دنیا کی کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی، آپ ﷺ کی ہر سنت قابل تقلید ہے، اللہ تعالی اسی عمل کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہیں، جو نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ پر کیا گیا ہو، کسی بھی عمل کی مقبولیت راہ سنت کے سے ہوتی ہے، اور بارگاہ ذوالجلال میں وہی اعمال مقبول ہوتے ہیں، جس پر نبی علیہ السلام کی سنت کی مہر لگی ہو، خواہ وہ عمل کتنا چھوٹا کیوں نہ ہو، اور جو عمل رسول اللہ کی سنت سے ہٹ کر ہو، وہ بارگاہ خداوندی میں مردوداور نا قابل قبول ہے، اور جس کام کو سنت کیدائرہ سے ہٹ کر کیا جائے، وہ عمل اس کرنے والے کے منہ پر مار دیا جاتا ہے، (اللہ ہم سب کی پوری حفاظت فرمائے) تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر ﷺ نے نبی کی سنتوں کو کس طرح اپنی زندگیوں میں اپنا تیتھے، اور وہ اپنی نبی علیہ السلام کی سنتوں کو دنیا وآخرت میں کامیابیوں کی کنجی سمجھتے تھے، ہر کام کو راہ سنت پر چل کر ہی سرانجام دیتے تھے، وہ رسول اللہ کی سنت کی عظمت ومحبت میں اپنی ہر محبوب شئی کو قربان کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کی جماعت نے ظاہری اسباب کینہ ہوتے ہوئے بھی ہر مقام پر فتح مندی کا پرچم لہریا تھا، جہاں بھی گئے کامیابیاں وکامرانیاں انکے قدم بوسی کے لیے فرش راہ ہوتی تھیں، اس موقعہ پر دو واقعہ قارئین کی نظر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اصحاب نبی کو سنت سے کس حد درجہ عشق ولگاؤ تھا، اور انکے جسم میں رگ وریشہ میں اتباع سنت کا جذبہ کس طرح موجزن تھا، ملاحظہ فرمائیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ کسی سفر پر تھے، مدینہ سے نکلتے وقت حضور ﷺ کو راستہ میں ٹھوکر لگی،

جس سے آپ ﷺ لڑکھڑا گئے، اس کے بعد جب بھی اس جگہ سے حضرت عمر کا گزر ہوتا تو حضرت عمر جان بوجھ کر اس جگہ ٹھوکر کھاتے اور قصدا لڑکھڑاتے تھے، کسی کے پوچھنے پر فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ کے ساتھ اسی جگہ سے گزر رہا تھا، آپ کو ٹھوکر لگی تھی، اب مجھے شرم آتی ہے کہ اس جگہ سے بغیر ٹھوکر کھائے نکل جاؤں، اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک بار حضور ﷺ کیساتھ سفر پر تھے، آنحضرت ﷺ نے راستہ میں قضاء حاجت فرمائی، اور پھر اپنا سفر شروع کیا، اس واقعہ کے بعد جب بھی حضرت ابن عمر اس جگہ سے گزرتے تو اپنی سواری نیچے سے اترتے اور اسی جگہ بیٹھ کر قضاء حاجت کی شکل بنا کر تھوڑی دیر تشریف رکھنے کے بعد اٹھ جاتے، ان کے ایک خادم نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ رسول اللہ نے اس جگہ پیشاب فرمایا تھا، مجھے قضاء حاجت کی ضرورت تو نہیں ہوتی، لیکن اتباع سنت میں اس طرح کرتا ہوں، اب اندازہ لگائیں کہ صحابہ کو اس درجہ اتباع سنت کا جذبہ تھا، کہ حضور نے جو کام بتقاضہ بشریت فرمایا، صحابہ اس کو اپنانے کی کوشش کرتے تھے، تو وہ اپنی نمازوں اور روزمرہ کے نیک کاموں میں کس طرح سنت کا اہتمام کرتے تھے، کھانے پینے سونے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے میں کس طرح اتباع سنت کا اہتمام فرماتے تھے، اس کا اندازہ لگانے کیلیے دو واقعات قارئین کی نظر کر چکا ہوں اور یہ اہتمام اس لیے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ کی سنت کیبغیر کوئی عمل بارگاہ احد وصمد میں قبول نہیں ہوتا، اور انکو اچھی طرح معلوم تھا کہ ہر بڑے چھوٹے عمل میں قبولیت اسی وقت ہوگی، جب نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر کیا گیا ہو، اور وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ کی طرف سے قبولیت کا دروازہ اسی وقت کھلے گا، جب سنت رسول اللہ کو اپنایا جائے گا، اب ہم تھوڑی دیر کے لیے سوچیں کہ ہم اپنے اعمال میں کس طرح سنت کا اہتمام کرتے ہیں، ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لیں کہ کس قدر سنت کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں، اور روزمرہ کے کاموں میں کس طرح سنت کا خیال رکھتے ہیں، خدانخواستہ ہم سے کسی عمل میں سنت متروک ہو رہی ہے، تو وہ عمل قابل قبول ہی نہیں ہے، سنت سے ہٹ کر روزانہ ہزاروں رکعتیں پڑھ لیں، اللہ تعالی کی نظر میں انکی کچھ وقعت نہیں ہوگی، اس کے برعکس ہم صرف دو رکعت سنت کے مطابق ادا کریں، تو وہ اللہ نظر میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

قارئین کرام! اگر ہم چاہتے ہو کہ ہمارے اعمال اللہ کے حضور قابل ومقبول ہو تو ہمارے لیے بیحد ضروری ہیکہ ہم ہر کام کو سنت نبوی ﷺ کے طریقہ ادا کرنے کی کوشش کریں، ہم اس بات عہد کریں کہ ہر بڑا چھوٹا کام مسنون طریقہ پر ادا ہوگا (ان شاءاللہ) روزمرہ امور میں سنت نبوی کا پورا لحاظ و پاس کریں گے، اور وہی اعمال نزول رحمت کا ذریعہ بنیں گے، جن اعمال پر سنت کا سکہ لگا ہوا ہوگا، اس کے برعکس ہم ہزاروں کام سنت سے منہ موڑ کر کر لیں، وہ بارگاہ خداوندی میں مردود اور نا قابل قبول ہونگے، سوائے جسمانی مشقت تکلیف کے ہم کچھ پا نہیں سکیں گے۔ اللہ ہم سب کو اپنے فضل سے سنت پر چلنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے۔

❁……❁……❁

تصوف اور اسلام

مولانا محمد ابوبکر شیخوپوری ❖

حضور سرور کائنات ﷺ کو جن اہم مناصب، ضروری مقاصد اور بنیادی ذمہ داریوں کے ساتھ قیامت تک کی انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ان میں سے ایک اہم ترین مقصد تزکیہ نفس ہے، یعنی قلب میں جنم لینے والے رذائل کا روحانی علاج کرنا اور ان کی جگہ خصائل کو پیدا کرنا۔ اسی کی قرآن کریم میں **ویزکیھم** اور حدیث پاک میں **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو جس طرح ظاہری مسائل کے علم سے مالا مال کیا اسی طرح باطنی مسائل کی تعلیم سے بھی آراستہ فرمایا۔ ایک طرف نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ عبادات کے شرعی احکامات بیان فرمائے تو دوسری طرف باطنی امور مثلاً اخلاص، تقوی، حلاوت ایمانی، صدق، توکل، تسلیم ورضا اور دیگر عادات حسنہ کے فوائد وفضائل بیان فرمائے اور حسد، کینہ، بغض، ریاء، عجب، کبر اور حب دنیا جیسے مہلک امراض کے نقصانات سے آگاہ فرما کر ان کا حکیمانہ حل ارشاد فرمایا۔ کتب احادیث میں رقاق اور اخلاق کے عنوانات سے قائم ابواب اور ان کے تحت مذکور احادیث اس پر شاہد ہیں۔

اہل علم کی اصلاح میں تزکیہ نفس کو تصوف، سلوک، احسان، روحانیت، طریقت اور علم باطن کے عنوانات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے حامل کو صوفی باصفاء اور عارف باللہ کہا جاتا ہے، جس بابرکت اور مقدس مقام پر تصوف وسلوک کی مبارک منازل طے کروائی جاتی ہیں اسے خانقاہ اور روحانی علاج گاہ کہا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جس طرح علماء کرام نے وارث پیغمبر ہونے کی حیثیت سے نبوت کے منصب علمی کو سنبھالا اور علوم نبوت کی کرنوں کو تمام عالم میں بکھیرا اسی طرح حضرات صوفیاء عظام نے دلوں کی بنجر زمین کی آبیاری کے لئے روحانیت کی نبوی ذمہ داری پوری کرنے کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ اس عظیم مقصد کے لئے خانقاہیں قائم کیں اور ان تربیت گاہوں میں مجاہدات اور اوراد وظائف اور مخصوص معمولات کے ذریعے سے غفلت وعصیاں کی دلدل اور نفس وشیطاں کی قید وبند میں

❖ شیخوپور

پھنسی ہوئی انسانیت کو مالک حقیقی کی اطاعت اور گناہوں سے توبہ کی طرف متوجہ کیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور تمام صوفیاء کرامؒ بلاشبہ امت کے محسن ہیں جن کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کر کے لاکھوں غیر مسلم ایمان کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور بے شمار مسلمانوں نے بیعت طریقت کر کے اپنے باطن کو محاسن سے آراستہ کیا۔ آج برصغیر پاک و ہند اور تمام عالم میں اسلام کی روشنی اسی مقدس طبقے کے دم قدم سے ہے۔

تصوف وسلوک کے مبارک روحانی ووجدانی سفر کا آغاز بیعت طریقت جبکہ اختتام درجہ احسان کے حصول پر ہوتا ہے۔ احسان کا مطلب نبی کریم ﷺ نے حدیث جبرائیلؑ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ آدمی کو عبادت کرتے وقت اس قدر انہماک اور توجہ الی اللہ نصیب ہو جائے کہ وہ تصور میں خدا تعالی کو اپنے سامنے پائے یا کم از کم اس کا یہ تصور پختہ ہو جائے کہ اللہ تعالی اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اس تصور کے ساتھ عبادت کرنے کا جو لطف ہے وہ دنیا بھر کی شیرینیوں میں بھی نہیں ہے اور یہ مخصوص مرتبہ کسی کامل کی صحبت میں رہ کر سلوک واحسان کی مدارج طے کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

بسا اوقات صوفیاء کرام کے ہاتھ پر خرق عادت امور کا ظہور ہوتا ہے جنہیں کرامات کہا جاتا ہے جو کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق برحق ہیں، کرامات کے برحق ہونے کا ثبوت قرآن وسنت میں واضح طور پر موجود ہے۔ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے بند کمرے میں بے موسے پھلوں کا ذکر ہے جو بلاشبہ ان کی کرامت ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی اس قسم کے بیسیوں واقعات موجود ہیں، جیسے حضرت عمرؓ کی آواز کا میلوں دور حضرت ساریہؓ تک پہنچنا اور صحابہ کرامؓ کے لئے جنگل کے جانوروں کا جنگل چھوڑ دینا وغیرہ۔ البتہ یہ کرامات شریعت کے مقصودات میں سے نہیں ہیں کہ ان کے ظہور کے بغیر کسی کی ولایت میں شبہ کیا جائے بلکہ سب سے بڑی کرامت ہی شریعت کی پیروی اور سنت کا اتباع ہے۔ عربی زبان کا مقولہ ہے **الاستقامة فوق الكرامة** یعنی دین کے احکامات پر ثابت قدمی کرامت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کبھی کبھار غلبہ حال میں صوفیاء کرامؒ سے غیر اختیاری طور پر کوئی خلاف شرع بات صادر ہو جاتی ہے، ایسی باتوں کو علم تصوف کی اصطلاح میں ترشیحات کہا جاتا ہے، ان باتوں کو لے کر بعض لوگ صوفیاء کرام کے خلاف بدزبانی کرنے لگتے ہیں، یہ علم تصوف کی مبادیات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ ان ترشیحات کا حکم یہ ہے کہ غلبہ حال میں صادر ہونے والی باتیں قائل کے حق میں قابل مواخذہ نہیں ہوتیں کیونکہ ان سے غیر اختیاری طور پر صادر ہوئی ہیں اور دوسرے لوگوں کے لئے قابل تقلید نہیں ہوتیں کیونکہ خلاف شریعت ہیں۔ اس کی دلیل حدیث پاک میں مذکور مغلوب الحال شخص مثال ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم

ﷺ نے بندے کی توبہ پر اللہ تعالی کی خوشی کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا جیسے کسی شخص نے جنگل میں اپنا اونٹ گم کردیا، اس اونٹ پر اس کا زادراہ تھا جو اس کے جینے کا واحد سہارا تھا، وہ راہگیر مایوسی کے عالم میں لیٹ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی دوران اس کی آنکھ لگ گئی، اچانک آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ مع سامان کے اس کے پاس کھڑا تھا، نئی زندگی ملنے کی خوشی میں اس کے منہ سے نکلا: اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔ اس مثال کو بیان فرما کر نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا جو امر کی صریح دلیل ہے کہ بے اختیار ان کلمات کا صادر ہونا نبی کریم ﷺ کی نگاہ میں موجب عتاب نہیں تھا۔

تصوف کے حوالے سے بہت سے لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ بعض خشک طبع اس کا یکسر انکار کرتے ہیں اور اسے اسلام سے متصادم کوئی الگ نظریہ قرار دیتے ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ صرف انکار پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ صوفیاء کرام کے مقدس طبقے کو گمراہ اور مبتدع فی الدین قرار دیتے ہیں، حالانکہ اس سلسلے کی تمام کڑیاں آستانہ نبوت سے ملتی ہیں۔ سنن ابن ماجہؒ میں متعدد احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کی حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت لے کر انہیں اس سلسلے میں داخل فرمایا۔ یہ بیعت اسلام بھی نہیں تھی کیونکہ صحابہ کرامؓ پہلے سے مسلمان تھے اور بیعت جہاد بھی نہیں تھی کیونکہ جہاد کا موقع نہ تھا۔ اس لئے صوفیاء کرامؒ پر بدزبانی کرنے والے اس وعید سے ڈریں کہ اللہ تعالی نے اپنے ولیوں کے ساتھ دشمنی کرنے والوں سے اعلان جنگ کر رکھا ہے اور مالک ارض وسماء کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے حصہ میں چاروں شانے چت گرنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے برعکس کچھ لوگ پیری مریدی کو دین کا جزء لازم سمجھتے ہیں اور اس کے بغیر دینداری کو ہی مشکوک گردانتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔ یہ محض جاہلانہ ذہن کی اختراع ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا افراط وتفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال پر چلتے ہوئے تصوف کی حقیقت کو تسلیم بھی کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں داخل ہوکر اصلاح نفس بھی کروانی چاہیے۔

❁……❁……❁

احوال وکوائف

تعلیمی سرگرمیاں

کورونا وائرس کے بڑھتے اثرات کی بناء پر تعلیمی اداروں میں ہونے والے اس تعطل کے دورانیہ میں بعد عید الاضحیٰ دارالعلوم وقف دیوبند نے بذریعہ ویب سائٹ آن لائن تعلیمی سلسلہ کا آغاز کیا تھا، جس کا تسلسل تاحال بدستور جاری ہے۔ طلبہ بڑی تعداد میں اس نظام العمل سے مستفید ہورہے ہیں۔ بلاناغہ بہ تسلسل اسباق کے اہتمام کی بناء پر نصاب بھی کافی حد تکمیل کی جانب گامزن ہے۔ ادارہ کو بالمشافہ نظام تعلیم کے آغاز کے لئے تاحال حکومت کی واضح ہدایات کا انتظار ہے۔

تالیفی وتحقیقی سرگرمیاں

آن لائن تعلیمی نظام العمل کے علاوہ ادارہ میں فی الوقت مختلف ناحیوں سے تحقیقی وتالیفی امور تیز گام ہے، جن کی تفصیلات گذشتہ شمارے میں درج کی گئیں تھیں، جن میں سرفہرست ترتیب فتاویٰ کے علاوہ متون نانوتویؒ، موقف الامام النانوتوی فی القضایا الخلافیۃ بین السنۃ والشیعہ ، الامام محمد انور شاہ الکشمیری وجہودہ فی علم الحدیث، مقاماتِ مقدسہ (عربی)، اسلام کا اخلاقی نظام (انگریزی)، فلسفۂ نعمت و مصیبت (انگریزی)، اسلام اور سائنس (انگریزی)، تقریر دلپذیر پر تحقیق وتسہیل خاص طور پر زیر عمل ہیں۔

تعمیری سرگرمیاں

لاک ڈاؤن کے دورانیہ میں ایک طویل وقفہ کے بعد ان لاک کے آغاز کے ساتھ ہی ادارہ میں تعمیری سرگرمیوں کا بھی آغاز کردیا گیا تھا، جس کے تحت سب سے پہلے مسجد کی مابقیہ تعمیر کا آغاز کیا گیا تھا، تاحال مسجد کا اندرونی حصہ اپنے تعمیری مراحل کو اپنے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ مکمل کرچکا ہے اور اندرونی حصہ میں رنگ وروغن کا عمل بھی شروع کردیا گیا ہے۔ گنبد پر پتھر لگائے جانے کا عمل مکمل ہوچکا ہے، ادھر مرکزی دروازے کی تعمیر بھی اپنے آخری مرحلے میں ہے۔

❁......❁......❁

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تا کہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، کارپوریشن بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

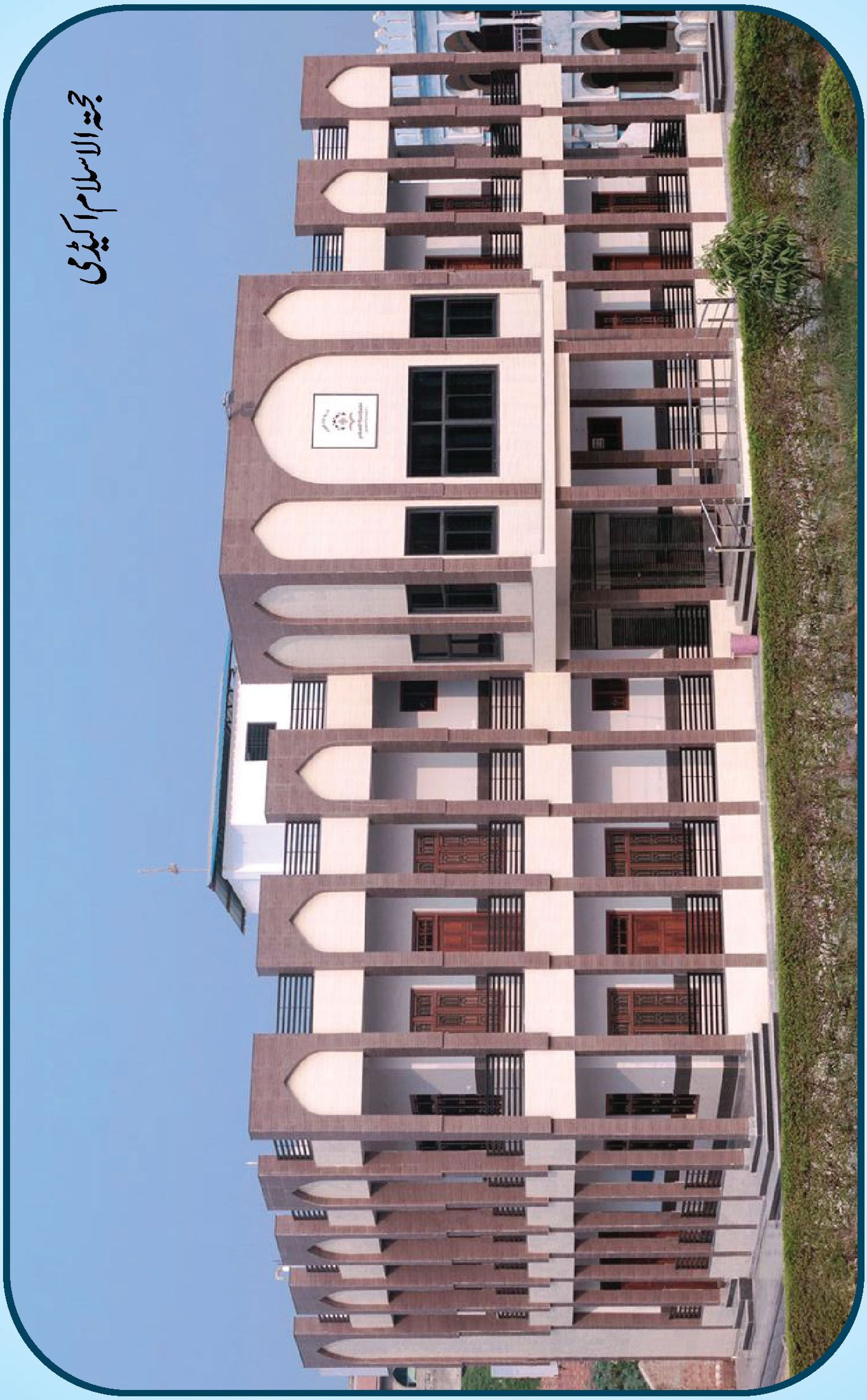
UNION BANK OF INDIA		
(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF DEOBAND
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292
CORPORATION BANK		
(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF DEOBAND
ACCOUNT NUMBER	:	510101006258505
BANK	:	CORPORATION BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	CORPINBB612
IFSC CODE	:	CORPOOOO786
HDFC BANK		
(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC 0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554	Ph No:01336-222752,222352 Email: rector@dud.edu.in Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

Vol: 12
Issue: 130, 131
Rabi` al-thani - Jumada al-awwal
December 2020 - January 2021



دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009–10/9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603